

روشنی مل گئی



مائل خیرآبادی

15



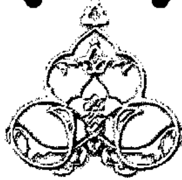
روشنی مل گئی



مائل خیرآبادی

دارالابلاغ پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز

حسن مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور فون: 042-7361428, 0300-4453358





کتاب و سنت کی اشاعت کا مثالی ادارہ

روشنی مل گئی

اعداد .... ام فیصل آبادی

اشاعت اول .... مئی 2012ء

قیمت ....

سچی بات

لاڈلی بیٹیوں کیلئے سلسلہ تربیتی کہانیاں

پیارے بیٹو اور بیٹیو!

ہم آپ کے لیے خوب سے خوب تر تربیتی دلچسپ کہانیاں تیار کرنے میں معروف ہیں۔ امید ہے آپ انھیں پسند کریں گے اور ہمارے لیے دعا کریں گے تاکہ ہم زیادہ محنت کر کے آپ کے لیے کم قیمت مفید و معیاری کہانیاں پیش کر سکیں۔ ہمارے پروگرام میں ننھی منی لاڈلی راج دلاری بیٹیوں کے لیے تربیتی لٹریچر تیار کرنا خاص طور پر شامل ہے۔ یہ کتاب بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ یہ سلسلہ جہاں عمومی طور پر بچوں کے لیے تربیت و اصلاح کا باعث بنے گا وہاں بیٹیوں کے لیے خصوصی طور پر دلچسپی اور تربیت کا باعث بنے گا۔ اس میں مندرجہ ذیل کہانیاں ہیں:

1 کایا پلٹ 2 میری ساس 3 نذیرن بوا 4 ضمیر 5 بجلی کا بھوت

ہم آئندہ بھی بیٹیوں کے لیے دلچسپ نصیحت آموز، سبق آموز، اور حیرت انگیز تربیتی کتب پیش کرتے رہیں گے۔ ان شاء اللہ

آپ کا بھائی

محمد طاہر نقاش

17 اپریل 2012ء، لاہور

کایاپلٹ

''ارے او بھلنے!'' سعید جاتے جاتے مڑا۔ ''جی امی جان!'' وہ انوری کے پاس آ گیا۔ ''کیا بھول گیا میں؟'' ''دلہن کی کنڈیا گھر ہی رہ گئی ہے۔ جا، جلدی سے لے آ۔ شام تک یہاں ٹھہرنا ہے۔ منے کے کچھنے وچھنے اسی میں ہیں۔''

''ابھی لایا امی!'' سعید یہ جا وہ جا۔ سائیکل پر بیٹھ اڑن چھو ہوگیا، ابھی انوری کے منہ کا پان منہ میں تھا کہ وہ کنڈیا لے کر آ گیا۔

''امی! اور کچھ؟''

''ہاں! یہ پیسے لے پنیر والے بسکٹ لے آ منّے کے لیے۔''

سعید پیسے لے کر بازار گیا اور بسکٹ لے آیا۔ اب انوری نے ایک نسخہ تھما دیا اور کہا۔ ''دوڑ کر جا، میرے لیے گولیاں لے آ۔''

''اب تو میں سعید کو بے چارا ہی کہوں گی۔ ہاں، بے چارا گیا اور گولیاں بھی لے آیا۔ ماں کو دیں اور منتظر رہا کہ انوری اُسے کوئی اور حکم دے۔ میں جل گئی۔ انوری کچھ سوچ رہی تھی کہ میں نے کہا:

''اب سعید سے دس بیس گھڑے پانی بھی بھروا لے! کیا سعید کے پیروں میں بلی باندھ کر لائی ہے جو اُسے بار بار دوڑا رہی ہے۔ جا بیٹے! جا شکیل کے پاس بیٹھ جا کر!

پھر میں نے انوری سے کہا: ''یہ وہی سعید ہے جس سے تو دن رات نالاں رہتی تھی۔ وہ تیری بات اس کان سے سنتا اس کان سے اڑا دیتا تھا۔ اب کیا جادو کر دیا اس سے زیادہ سعید بیٹا تو کہیں نظر نہیں آتا۔'' یہ جو میں نے انوری سے کہا تو وہ خوش ہونے کی بجائے کسی قدر اداس ہوگئی۔ آنکھیں بھی بھر گئی تھیں۔ اس نے انگلی پھیری تو اس کی انگلی پر قطرے سے پھیل گئے تھے۔ کہنے لگی۔

''باجی! وہ جو تمھارے بھولے شاہ تھے اللہ ان کو کروٹ کروٹ سکھ چین بخشے۔ جب تک زندہ رہے، بیٹے کو لاڈ پیار میں نکما اور ڈھیٹ بنا دیا تھا۔ تم کو تو سب سناتی رہتی تھی۔ یاد تو ہوگا کہ ایک دن دس بجے تک سعید گھر نہ آیا تھا۔ میں بک جھک رہی تھی۔ وہ ہاں باجی! آپ کے بھولے شاہ صاحب تشریف لائے، میری بک جھک سن کر سمجھ گئے کہ سعید ابھی تک نہیں آیا ہے۔ بولے: ''کیوں اپنی زبان خراب کرتی ہو ذرا صبر کرو۔ آنے دو نالائق کو، آج ہاتھ پیر توڑ کر رکھ دوں گا۔''

باجی ہنسی آتی ہے۔ آپ بھی سن کر ہنسی تھیں اور اسی وقت تو آپ

نے بھولے شاہ کا لقب عطا فرمایا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد سعید آیا تو ان حضرت نے سعید کو بلایا۔ بڑے پیارے سے بٹھایا۔ ملاحظہ ہو، یہ ہاتھ پیر توڑے جارہے ہیں۔ اس کے سر پر ہاتھ رکھا، فرمایا: بیٹے آج بڑی دیر لگا دی۔ تمھاری امی بہت پریشان تھیں! بیٹے! تم دیر کرتے ہو تو وہ تمھاری محبت میں پاگل سی ہو جاتی ہے۔ کہنے لگتی ہیں نہ جانے سعید کو کیا ہوگیا۔ اگر ذرا دیر اور نہ آتے تو مجھے بھیجتیں کہ ڈھونڈ لاؤ۔

سعید ہنس دیا اور جا کر سو رہا۔ تمھارے بھولے شاہ صاحب مجھ سے کہنے لگے کہ اب جلد آیا کرے گا۔" "ہاں آیا تو کرے گا۔ لاڈ پیار میں لونڈے کو خراب کیے دیتے ہو کچھ تو ڈانٹ دیا کرو۔"

"اچھا خیر! اب تو وہ سو گیا۔ کل ڈانٹ دوں گا۔ میں نے اس خیال سے سخت سست نہیں کہا کہ تمھیں دُکھ ہوگا۔"

اااا......"یہ ہوگئی ایک بات! اور سنیے! ایک دن سینما دیکھنے چلا گیا۔ اس دن تو میں نے کنڈی لگا لی اور طے کرلیا کہ نہ کھولوں گی۔ گیارہ بجے آیا۔ باہر کی کنڈی بجائی۔ میں سوتی بن گئی۔ پھر کنڈی بجی، پھر بجی، میں نہ اُٹھی تو حضرت بھولے شاہ چپکے سے اٹھے۔ میں نے کہا: "کہاں چلے!" آج ذرا دو ایک ہاتھ لگا دوں۔ اب تو اس نے بہت پیر نکالے ہیں۔"

میں بھی پیچھے چلی۔ بھولے شاہ کے چہرے پر غصہ کے آثار پچ

مچ تھے۔ میں سوچی، کہیں ایسا نہ ہو آج پیٹ ہی دیں۔ میں پیچھے چلی۔انھوں نے کنڈی کھولی۔ سعید اندر آیا۔ سُنتی ہو باجی! تمھارے بھولے میاں نے کیا کہا اس سے۔ ''بری بات ہے سنیما دیکھنا۔ بس آج ہوگیا۔ اب توبہ کرو۔'' دیکھا آپ نے۔ یہ تھا ان کا لاڈ پیار۔

اس سلسلے میں بڑے واقعات ہیں۔ ایک بار تو حادثہ ہوتے ہوتے رہ گیا۔ یاد ہے نا! سکول میں اپنے کسی ساتھی پر چاقو نکال لیا تھا۔ وہ تو کہیے۔ ڈرل ماسٹر نے دوڑ کر چھین لیا ورنہ اللہ جانے کیا ہو جاتا۔ یہ خبر پہنچی، میں بدحواس ہوگئی۔ وہ کھانا کھا رہے تھے۔ کھانا بھولے۔ اٹھ کر بھاگے۔ مجھ سے کہا کہ آج اس لونڈے کی بوٹیاں اڑا دوں گا۔''

اب سنیے! سنیے کیا۔ آپ بھی تو میرے گھر آ گئی تھیں۔ آپ نے دیکھا تھا کہ کس طرح سعید کی بوٹیاں آ رائی تھیں۔ جیسے ہی گھر آیا باجی السلام علیکم کہہ کر بولے۔ ''بالکل ناسمجھ ہے۔'' پھر مجھ سے کہا۔ وہ جو مٹھائی لایا تھا ذرا سعید کو دے دو، بہت بھوکا ہے۔ دیکھو تو چہرہ اترا اترا لگتا ہے۔'' میں جل بھُن کر رہ گئی۔ باجی تم نے بھی کہا تھا۔ ''حشمت میاں! تم لاڈ پیار میں لونڈے کو خراب کر دو گے۔''

''باجی آج میں نے اسے اچھی طرح سمجھا دیا ہے اب وہ اسم بامسمیٰ بن جائے گا۔'' ''خاک منہ میں! خود شیطان بنا رہے ہیں۔ وہ

اسم بامسمیٰ بنے گا گھر میں رہو تو پتا چلے، دن بھر وہ اُدھم مچاتا اور بھوبھل جوتتا ہے کہ اللہ کی پناہ۔ مر بھی نہیں جاتا کمبخت!'' ''توبہ کرو بیگم۔ باجی آپ سعید میاں کی ماں کو سمجھائیں۔ کیسا کلمہ منہ سے نکال دیا۔ توبہ توبہ۔''

اس طرح عمر بھر بیٹے کی طرف داری کرتے رہے۔ وہ ڈھیٹ ہوتا رہا۔ محلے میں روز شکایتیں سننے میں آتیں۔ آج اس سے لڑا۔ کل اسے پیٹا۔ پرسوں کہیں سے پٹ کر آیا۔ کہیں کرتا پھٹا، کہیں پائجامہ نچوا کر آیا۔ آج ٹوپی غائب، روز روز قلم، دوات، کاپی کے لیے پیسوں کا تقاضا۔ میں تو بیزار ہوگئی، کبھی کوئی کام کر کے نہ دیا۔ حد یہ ہوگئی کہ جب وہ بیمار ہوئے تو بھی اس کی آنکھیں نہ کھلیں۔ حکیم، ڈاکٹر سے دوا لینے میں جاتی۔ اسے کوئی غم ہی نہیں۔ باپ سے کبھی نہ پوچھا کہ کیا حال ہے۔ شاید وہ جانتا تھا کہ اس کا باپ مرے گا ہی نہیں، لیکن اس بیماری سے باپ نہ اٹھ سکا۔ میں نے لاکھ دوا دارو کی۔ سینکڑوں روپیہ اٹھا ڈالا۔ ایک دن مجھے پاس بلایا۔ بولے: ''اب صبر کرو، دوا دارو ختم کرو، ایسا لگتا ہے کہ آخری وقت ہے۔ سعید کو بلاؤ۔''

میرا کلیجہ منہ کو آ گیا۔ آنسو پونچھ کر اٹھی۔ نجمن کو بلانے بھیجا۔ نالائق نہ جانے کس سے لڑا تھا۔ سارے کپڑے کسی نالی کے گندے پانی سے لت پت آیا۔ ''کیا ہے کیا؟ ذرا دیر کے لیے باہر گیا تھا کہ بلا

لیا۔ میں نے کہا: "بیٹا! کبھی تو آدمی بن جاؤ۔ تمھارے ابا اللہ میاں کے ہاں جا رہے ہیں۔ تمھیں بلایا ہے۔"

باجی تم بھی تو آ گئی تھیں۔ تمھاری سامنے سعید باپ کے پاس اٹھارہ برس میں پہلی بار خاموشی سے آیا۔ انھوں نے دیکھا۔ ہاتھ کے اشارے سے پاس بلایا۔ سانس تقریباً اکھڑ چکی تھی۔ بڑی مشکل سے یہ جملہ نکلا۔ "بیٹا! ماں کو ناراض نہ کرنا۔ جنت ماں کے...... یہ جملہ پورا نہ ہو سکا اور سر ایک طرف ڈھلک گیا۔"

کہرام مچ گیا گھر میں وہ پہلا دن تھا کہ سعید کو چپ دیکھا گیا۔ سب ہائے ہائے کر رہے تھے۔ رو رہے تھے۔ آنسو بہا رہے تھے۔ وہ گم صم، نہ ہائے وائے، نہ آنسو۔ آسمان کی طرف نظر اٹھ گئی تو ادھر ٹکٹکی بندھ گئی۔ کسی اور طرف دیکھا تو ادھر ہی دیکھتا رہا۔ جنازہ اٹھا۔ اسے کچھ خبر نہ ہوئی۔ باجی تم نے ڈانٹا تھا۔ "نالائق! جنازے میں تو شریک ہو لے۔" کچھ کہنے بنا چلا گیا۔ چلا بھی آیا۔ آ کر اپنی چارپائی پر گرا۔ ایک بار "ہائے" اس کی زبان سے نکلا اور پھر گم صم۔ تم بھی گھبرا گئی تھیں، میں بھی اور جو لوگ تھے وہ بھی دوڑ پڑے۔ ڈاکٹر بلا لیا گیا۔ اس نے دیکھا۔ "سخت صدمہ دل پر پہنچا ہے۔ خیر میں تدبیر کرتا ہوں۔" ڈاکٹر نے انجکشن لگایا، کچھ گولیاں دیں اور فیس لے کر چلا گیا۔

اب ہمیں اور آپ کو سعید کے لالے تھے۔ بڑی دعاؤں کے بعد خیر صبح تک ٹھیک ہوگیا۔

باجی! عالم الغیب تو اللہ ہے۔ میں کچھ نہ سمجھ سکی۔ کیسے کیا ہوا؟ وہ دن ہے اور آج کا دن۔ میرے کولھے سے کولھا ملائے بیٹھا رہتا ہے۔ ہر وقت گھر کا کام ڈھام یا پڑھنا لکھنا۔ ابھی بازار سے آٹا لایا۔ ابھی نمک، بار بار، بار بار کہیں دوڑا لو! کبھی نہیں، نہیں کی۔ ہر وقت میری نگاہیں دیکھتا رہتا ہے۔ ذرا کسی طرف اشارہ کیا، تیر کی طرح پہنچا ذرا دیر کی کہیں اور میری نظروں میں غصہ دیکھا۔ توبہ تلا شروع کردی۔ امی! معاف کردو۔ اب جلدی آیا کروں گا۔ راشن ڈپو پر لائن لگی تھی۔ یوں دیر ہوگئی۔ باجی! جانے کیسے سعید سچ مچ سعید ہوگیا۔ گھر گھر چرچے ہونے لگے۔ ارے سعید تو نمازی ہوگیا۔ ارے سعید نے روزے رکھے۔ ارے واہ! سعید کیسا سعید بیٹا نکلا۔

اس سال تھرڈ ایئر میں فرسٹ آیا۔ انعام لیا۔ اس کے محنتی ہونے اور کام کاجی ہونے کی دھوم مچ گئی۔ انیسویں برس میں تھا کہ ابھی سے پیغام آنے لگے۔ تم نے بھی کہا، کر بھی دو، گھر خالی خالی ہے۔ یہ کیا بیٹھی ہے۔ اری دلہن، ادھر دیکھ۔ منے کو مجھے دے۔ ذرا اپنی خالہ اور میرے لیے پان بنا لا اور آج ہی تم نے دیکھ لیا۔ کتنی بار دوڑا تم کو بھی

ترس آ گیا۔ اس سے پوچھو! دلہن بتائے گی۔ کبھی ''ہونہہ'' تک دلہن کو نہ کہی۔ بس اتنا میں نے کہہ دیا تھا۔ ''سعید! میں دلہن کو بیاہ لائی ہوں۔ مجھے رسوا نہ کرنا'' باجی! دلہن کہتی ہے کہ دلہن تو منے کے ابا ہیں اور میں شوہر ہوں۔'' روز ایک نہ ایک بات سناتی ہے اور ہنستی ہے۔ بہت خوش ہے باجی آپ کی دلہن، میرا دل باغ باغ ہے۔ ہاں! اس دن ذرا روئی تھی جب مجھے بخار آ گیا۔ رات بھر مجھے نیند نہ آئی...... سعید دیوانوں کی طرح میری چارپائی کے آس پاس گھوم رہا تھا۔ دلہن میرا سر دبا رہی تھی۔ پھر جب میں سو گئی تو میرے پیروں کی انگلیاں دبا رہا تھا۔ نیند لگی تو وہ سو گیا۔ جب میں جاگی تو میرا پیر اس کے سینے پر تھا اور اس کے ہاتھوں میں میرے پاؤں کی انگلیاں۔ باجی! میں سمجھتی ہوں کہ نصیحت کا اثر ہوتا ضرور ہے۔ تم انھیں بھولے شاہ کہتی تھیں یہ تو ان سے بڑھ کر بھولا ہوگیا۔ ان کی زندگی میں تو بن نہ سکا۔ وہ تو اللہ کو پیارے ہوگئے اور سعید کو اللہ کا پیارا بنا گئے اور کیا عرض کروں۔ میں تو یہی سمجھ سکی ہوں۔ باجی کی زبان سے نکلا۔ ''ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ'' میری آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ مجھے وہ یاد آ رہے تھے۔ مجھے معلوم نہیں۔ یہ آنسو ان کی یاد میں نکلے یا سعید کی سعادت مندی کی خوشی کے تھے۔

میری ساس

"ہائے امی! بھابی نے پلیٹ توڑ دی!"

ننھی فاطمہ زور سے چلائی اور میرا یہ حال کہ کاٹو تو لہو نہیں بدن میں۔ میری شادی کو ابھی کچھ ہی دن ہوئے تھ کہ خدمت کے جوش میں اور ساس کو خوش کرنے کے لیے میں نے گھر کے کاموں میں ہاتھ بٹانا شروع کر دیا۔ میری ساس مجھے روکتیں۔ بیٹی! اللہ تجھے جیتا رکھے۔ اللہ تیرا سہاگ قائم رکھے۔ اللہ تجھے اس گھر کی رونق بنائے۔ ابھی تجھے آئے جمعہ جمعہ آٹھ دن بھی نہیں ہوئے اور کام میں جت گئی، لیکن میرا یہ حال کہ جتنا ہی وہ منع کرتیں اتنا ہی میں زیادہ کام کرتی۔

مجھ سے میری میکے کے بزرگوں نے کہہ دیا تھا کہ سلمٰی بیٹی! ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد۔ خدمت ہی سے عظمت ہے۔ بس میں اسی دھن میں تھی۔ میں کوئی کام کرنے لگتی تو ساس مجھ سے چھین لیتیں۔ میں دوسرا کام لے بیٹھتی۔ ایک دن میں نے برتن دھونا شروع کر دیئے۔ فاطمہ بیٹھی مجھ سے باتیں کر رہی تھی۔ پلیٹ چکنی تھی۔ میں

نے اٹھائی تو پھسل کر گری اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے، ادھر زمین پر تڑاق کی آواز ہوئی۔ اُدھر فاطمہ چلائی۔ ''ہائے امی! بھابی نے پلیٹ توڑ دی۔'' میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ یہ پلیٹ ساس کی جہیز کی ہے۔ جہیز کی چیزیں عورتیں بہت عزیز رکھتی ہیں۔ چاہے وہ ایک پیالی ہی کیوں نہ ہو، پھر یہ پلیٹ پرانی چینی کی، اب تو ایسی چینی کی پلیٹیں ملتی بھی نہیں۔

میں اسی سوچ میں دم بخود تھی کہ ساس آ گئیں۔ آنکھیں چار ہوئیں تو میری حالت اس چور کی طرح ہو گئی جو موقع واردات پر پکڑا گیا ہو اور اسے رحم طلب کرنے کے سوا اور کوئی چارہ نہ ہو۔ فاطمہ نے پلیٹ کا ایک ٹکڑا اٹھا کر دکھایا اور پھر شکایت کی بھابی نے توڑ دیا۔

میری ساس نے ایک نظر مجھے اور فاطمہ کو دیکھا۔ پھر فاطمہ سے کہا: ''بیٹی! تیری بھابھی نے توڑا نہیں۔ ان سے ٹوٹ گئی ہے۔'' پھر مجھ سے بولیں۔

''بیٹی سلمیٰ! تم روتی کیوں ہو؟ تم سے دھونے میں ٹوٹ گئی۔ میں جب تمھاری عمر کی تھی تو مجھ سے بھی ایسی باتیں ہو جاتی تھیں۔ سب سے ہو جاتی ہیں۔ پھر یہ کہ پلیٹ چینی کی ہی تو ہے۔ لوہے کی تو ہے نہیں، ذرا میں ٹوٹ جاتی ہے تو اس کا وقت آ گیا تھا۔ اچھا بس کرو۔

آنسو پونچھو۔ ہاتھ منہ دھو ڈالو۔ آؤ! میرے پاس آ کر بیٹھو۔''

میں نے لمبی سانس لی۔ یہ اطمینان کی سانس تھی۔ میں تو سمجھی تھی۔ آج ساس میری لتے لے ڈالیں گی، لیکن انھوں نے اُلٹا میری ڈھارس بندھائی۔ میں نے ہاتھ منہ دھویا پھر ساس کے پاس چلی گئی۔ وہ اپنے سہاگ کے واقعات سنانے لگیں۔ واقعات کچھ اس طرح سے سنا رہی تھیں جن میں کی بھول چوک کے بھی قصے تھے اور نصیحتیں بھی۔ ان قصوں میں ایک بڑا ہی دلچسپ اور نصیحت سے بھرا ہوا واقعہ سنایا۔ یہ واقعہ میں آج تک نہیں بھولی۔ میری ساس نے کہا:

''بیٹی سلمیٰ! ہوا یہ کہ میری نئی نئی شادی ہوئی۔ نئی نویلی دلہن گھر کے دوسرے لوگوں کے سامنے تو چپ کا روزہ...... رکھ لیتی ہے، لیکن شوہر سے رات بھر باتیں کرتی ہے۔

میری ساس نے یہ جو کہا تو میرے نہ چاہتے ہوئے میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ بولیں۔ اللہ کرے! تیری یہ مسکراہٹ تیرے ہونٹوں پر کھیلتی رکھے، ہے نہ بیٹی بات سچی! اچھا تو جب کوئی رات بھر باتیں کرے گا تو زبان سے ہر طرح کی باتیں نکل جائیں گی۔ میری زبان سے ایسی ویسی تو کوئی بات نہ نکلی۔ میں تو یہ کہہ رہی تھی۔ میری اماں ایسی نیک ہیں۔ میرے ابا ایسے اچھے ہیں۔ میرے بہن بھائی

بڑے فرمانبردار ہیں۔ یعنی میں اپنے گھر کی تعریف کر رہی تھی۔

بھلا اس میں تعریف کی ایسی ویسی کیا بات ہے مگر میاں کو، ہاں بیٹی! سلمٰی! تمھارے خسر صاحب کو یہی تعریف بری لگی۔ وہ سمجھے کہ اس انداز سے ان کے ماں باپ کی برائی کر رہی ہوں۔ بس دوسرے دن میاں کا منہ پھول گیا۔ اف فوہ! بولنا چھوڑ دیا۔ کچھ دیر تو مجھے احساس نہ ہوا پھر جب نو دس بجے وہ کام پر گئے اور مجھ سے نہ بولے تو مجھے بے حد افسوس ہوا، انھوں نے اپنی ماں کو تو سلام کیا لیکن میری طرف دیکھا بھی نہیں، اس بات کو میری ساس نے بھی نوٹ کیا۔ کام سے فراغت کے بعد مجھ سے پوچھنے لگیں۔ مسعود آج اداس کیوں ہے؟ میں نے جواب دیا۔ ''امی! یہی میں آپ سے پوچھنے والی تھی۔''

''کچھ ہوا ضرور ہے، ممکن ہے کہ کوئی بات اس کی طبیعت کے خلاف تم سے ہوگئی ہے۔''

''نہ امی! میں برابر سوچ رہی ہوں۔ میں تو ان کو برابر خوش کرنے کی بات کرتی رہتی ہوں۔'' ''اچھا میں اس سے پوچھوں گی۔''

میں دن بھر بے چین رہی۔ سوچتی رہی کہ آخر مجھ سے کیا خطا ہوئی کہ میاں کی نگاہیں پھر گئیں۔ شام کو آئے تو ماں نے اپنے کمرے میں بلایا سمجھایا۔ بات پوچھی تو بتایا کہ یہ عورت میرے ماں باپ کی

توہین کرتی ہے۔ میں اسے برداشت نہیں کرسکتا۔ ہر وقت اپنے گھر والوں کی تعریف۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہمارے گھر کے لوگ گنوار ہیں۔ اس پر ساس نے سمجھایا۔ ''نہیں بیٹے! اس کے معنی یہ نہیں ہیں ہر نئی نویلی اپنے گھر کی باتیں کرتی ہے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔

یہ سب میری ساس نے مجھے بتایا۔ اب مجھے یہ علم آپ سے آپ ہوا کہ شوہر کتنا حساس ہوتا ہے رات میں میں نے اپنی ساس اور خسر کی اچھی باتوں کی تعریف کی تو ایسا لگا جیسے عذرِ گناہ بدتر از گناہ ہو۔ انھوں نے منہ پھیرلیا۔ ''چپ رہو۔'' کہہ کر لیٹ گئے۔ اب مجھے دوسرا علم ہوا کہ اگر شوہر بات کرنا چھوڑ دے تو یہ بیوی کے لیے بڑی دکھ بھری بات ہوتی ہے۔ میں رات بھر تارے گنتی رہی، صبح میں نے ساس سے کہا۔ مجھے تسلی دے کر بولیں۔ ''غم نہ کر بیٹی! آپ سے خود ہی بولے گا۔'' ''کیسے؟'' یہ کیسے میں نے دل میں کہا اور یہ دیکھتی رہی کہ میاں آپ ہی آپ مجھ سے کیسے بولیں گے؟ ایک دن اور ایک رات ہوگئی اور میں کانٹوں پر لوٹتی رہی۔ تیسرے دن مغرب کے بعد جب ہم سب کھانا کھا رہے تھے تو میری ساس نے مسعود صاحب سے پوچھا۔ بیٹے! ''وہ کیا حدیث ہے؟'' مسعود صاحب ماں کا منہ دیکھنے لگے گویا پوچھ رہے تھے کون سی حدیث؟''

''ارے وہ! جس میں نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ ایک مومن کے لیے یہ ٹھیک نہیں ہے کہ دوسرے مومن سے تین دن کے بعد روٹھا رہے؟'' وہ سننا تھا کہ وہ مسکرائے۔ میری طرف دیکھا۔ میں بھی مسکرا دی۔ ''لو! بس قصہ ختم؟'' ساس اٹھ کر چلی گئیں۔ ان کے جاتے ہی مجھ سے کہا۔ ''آج کھانا بہت اچھا بنا ہے، کس نے پکایا ہے؟'' جانتے تھے کہ میں نے پکایا ہے۔ میں اپنی تعریف محسوس کر کے بہت خوش ہوئی اور پھر میل ہوگیا۔ اس ملاپ میں مجھے شاعر کے اس مصرع کی صداقت کا اعتراف کرنا پڑا۔ جس میں کہا ہے کہ

بڑا مزا ہے اس ملاپ میں
کہ صلح ہو جائے جنگ ہو کر

مگر اب میں یہ سوچ رہی تھی کہ یہ کیا بات ہوئی؟ میں نے دوسرے دن ساس سے پوچھا: ''امی! آپ نے کیا جادو کردیا ان پر۔'' ''بولیں۔ کچھ نہیں، بیٹی! اللہ کا فضل ہے کہ مسعود مسلمان ہے۔ نام کا مسلمان نہیں۔ نبی کریم ﷺ پر ایمان لایا ہے تو صرف یہی نہیں کہ نماز روزے کی حد تک مسلمان ہو۔ بات بات میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کی تعمیل کرتا ہے۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان بھول جاتا ہے بس یاد دلانے کی ضرورت ہے۔ میں نے پیارے نبی

ﷺ کی یاد اسے دی اور وہ تم سے اپنے آپ راضی ہو گیا اور تین دن پورے نہ ہوئے کہ تم سے خود بولا۔ ''امی!......'' میں نے بڑھ کر ساس کا دامن چوم لیا۔ انھوں نے نے میری سر پر بڑی ممتا سے ہاتھ پھیرا۔ جب تک میں سر جھکائے رہی۔ وہ مجھے دعائیں دیتی رہیں۔ میں عرض کیا کہ مجھے تو کچھ بھی معلوم نہیں۔ میں نے سکول تعلیم تو حاصل کر لی مگر رہی نام کی مسلمان۔ کام کی مسلمان کیسے بنوں؟''

''میری بھنّو!......'' ساس بڑے پیار سے بولیں۔ ''تو یہ کوئی بڑا کام تھوڑا ہی ہے۔ گھر میں ہر طرح کی کتابیں ہیں پڑھو اور عمل کرو۔''

میں نے اسی دن سے مطالعہ شروع کر دیا۔ مجھے روشنی ملنے لگی۔ میں اندھیرے میں تھی اُجالے میں آئی۔ اب میں تمھیں بتاؤں۔ یہ پلیٹ جو اچانک تم سے ٹوٹ گئی۔ میں اسے سنبھال کر رکھ رہی تھی۔ اس کے ٹوٹنے کا مجھے دکھ تو ہوا مگر میں نے پیارے رسول ﷺ کی وہ حدیث پڑھی ہے جس میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں پیارے رسول ﷺ کی خدمت میں بچپن سے رہا، لیکن نبی کریم ﷺ نے کبھی نہیں کہا کہ تو نے ایسا کیوں کیا ویسا کیوں کیا؟''

''تو بیٹی! ایسا کیوں ویسا کیوں ہی سے تو بات بگڑتی ہے۔ میں ایک پلیٹ کے کارن تمھارا دل توڑ کر پیارے رسول ﷺ کی نافرمانی

کیوں کرتی؟ ٹھیک کیا نہ میں نے؟''

خود بخود میری زبان سے نکلا۔''امی! بڑی اچھی ہیں آپ۔''

اسی طرح کی اور بہت سی باتیں میں نے اپنی ساس کی نوٹ کیں۔ ایک دن گوالا دودھ دے گیا میں چولھے پر گرم کرنے چلی تو دودھ گر گیا۔ ننھی فاطمہ میری نند نے آج بھی دیکھا لیکن اس نے اس وقت یہ نہیں کہا کہ امی دوڑو۔ بھابھی نے دودھ پھینک دیا۔ اس کی زبان سے نکلا۔ امی دودھ گر گیا۔ میں نے صاف صاف امی سے کہہ دیا۔ آج میری غلطی سی دود گر گیا اور آ جائے گا۔'' کہہ کر لڑکے کو دوڑا دیا۔ وہ دودھ لے آیا۔ میں دل ہی دل میں کہہ رہی تھی کہ آج بھی امی کوئی معرکے کی بات بتائیں گی۔ سچ مچ انھوں نے ایسی بات نکالی کہ میں جھوم گئی۔ فرمایا:''بیٹی! میرا خیال ہے کہ اس دودھ میں کوئی نقص آ گیا تھا ہو سکتا تھا کہ ہم اسے کام میں لاتے اور اس کے نقص سے کسی بیماری میں پھنس جاتے تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس سے بچا لیا اور اپنے فرشتوں سے دودھ گروا دیا۔

''یا اللہ! امی! آپ اتنی اونچی ہیں۔'' میری زبان سے نکلا۔ ''ایسی ساس آج کل کہاں ہوتی ہیں۔'' دوسری ساسیں تو بہو کی غلطیوں پر آگ بگولہ ہو جاتی ہیں۔ بہو کو کوستی ہیں۔ بہو کے گھر والوں

کو کوستی ہیں۔ میں نے دل ہی دل میں دعا کی۔ ''میرے مالک تو نے مجھے جیسی ساس عطا فرمائی ہے ایسی ہی سب ساسیں بنا دے۔ میں سوچا کرتی کہ میکے میں، میں کیسی منہ پھٹ تھی۔ اپنی سگی ماں سے بدتمیزی کر بیٹھتی تھی۔ توبہ، توبہ ابا جان کو بھی خاطر میں نہ لاتی تھی۔ اگر کہیں میرا مزاج یہاں بھی وہی کام کرتا اور کرنے کی بات ہی کیا، ضرور کرتا۔ لیکن میری ساس نے میرے اس مزاج کو چیلنج ہی نہیں کیا۔ وہ تو یہاں دبا کا دبا رہا۔ بتاؤں وہ کیسے دبا؟ بات یہ ہوئی کہ ایک دن مسعود صاحب کی خالہ آئیں۔ وہ ذرا چھوٹے قد کی تھیں۔ میں انھیں دیکھ کر مسکرا دی۔ خالہ سمجھیں، سلمٰی خوشی میں مسکرائی۔ لیکن ساس نے بھانپ لیا۔ جب خالہ چلی گئیں تو پوچھا: ''کیوں مسکرائی تھیں؟'' جی میں آیا کہ جھوٹ بول دوں لیکن میری ساس کے برتاؤ نے مجھے اس قابل کب چھوڑا تھا کہ میں جھوٹ بول سکتی۔ میں نے کسی ڈر کے بغیر سچ سچ کہہ دیا۔ ''امی! خالہ جان تو اتنی سی ہیں۔ بالکل ٹھنگنی!''

اب سنیے! میری ساس نے اس پر کیا کہا۔ کہا نہیں فرمایا: ''بیٹی! جب تم مسکرائی تھیں تو تب ہی میں سمجھ گئی تھی کہ تم نے میری بہن کو چھ سمجھا۔ تو بیٹی! شکل وصورت اور ڈیل ڈول تو اللہ بناتا ہے۔ اگر اس پر کوئی ہنسے تو یہ تو اللہ پر بہت بڑی بات کہی اس نے۔''

یہ سنتے ہی میرا دل کانپ گیا۔ ''توبہ امی!'' میری زبان سے نکلا۔ کہنے لگیں۔ ''ہاں بیٹی! ایک واقعہ سناؤں؟ ایک بار پیارے رسول ﷺ کی پیاری بیوی ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی ﷺ سے کہا کہ صفیہ رضی اللہ عنہا تو اتنی سی ہیں ٹھنگنی۔ یہ سن کر نبی اکرم ﷺ نے نصیحت کی۔ عائشہ! تم نے ایسی بات کہی کہ اگر یہ سمندر میں ڈال دی جائے تو اس کا سارا پانی کڑوا ہو جائے۔

بیٹی! تم ہکا بکا کیوں ہوگئیں؟ کسی دوسرے کو کسی وجہ سے کمتر سمجھنا ایسی ہی بری بات ہے۔ سمندر کو تم سمجھو سماج۔ سماج کی خرابی دراصل یہی ہے کہ اس میں لوگ ایک دوسرے کو ذلیل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر سب پیارے نبی ﷺ کی بات پر عمل کریں اور دوسروں کو نیچا سمجھنے یا نیچے گرانے کے بدلے، انھیں اونچا اٹھائیں تو سب کیسے خوش رہیں۔'' ''کیا بات فرمائی آپ نے امی!'' میں بے ساختہ ساس کی تعریف کرنے لگی تو بولیں:

''بیٹی! تمام تعریف تو اللہ کے لیے ہے جس نے پیارے نبی ﷺ کو ہماری ہدایت کے لیے بھیجا اور انھیں ہم سب کے لیے نمونہ بنایا۔ مجھے پیارے نبی ﷺ کی بات یاد آ گئی۔ اس میں تعریف کیا؟

''نہیں امی! آپ بھی بڑی اچھی ہیں۔''

''اگر تم مجھے ایسا سمجھتی ہیں تو میں اللہ کا شکر ادا کرتی ہوں اور سمجھتی ہوں کہ اس نے مجھے بڑی اچھی بہو عطا فرمائی۔'' ''ایں میں اچھی......''
میرے دل میں ساس کی قدر دونی، چوگنی، دس گنی اور بڑھ گئی۔

میں سمجھتی تھی کہ میری ساس زیادہ پڑھی لکھی تو ہیں نہیں۔ بس یہی کچھ اردو شد بد جانتی ہیں مگر اب مجھے ایسا لگا کہ وہ علم کا سمندر ہیں۔
جی ہاں۔ علم کا سمندر کیسے؟ سنیے۔

ایک دن میری سہیلیاں میرے گھر آ دھمکیں۔ ساس پڑوس میں گئی ہوئی تھیں۔ میں اپنے ساتھ کی کھیلی اور سکول کی ساتھیوں سے باتیں کرنے لگی۔ باتوں باتوں میں صحابہ کے شوقِ شہادت تک بات پہنچی۔ میں اب اچھا خاصا مطالعہ کر چکی تھی۔ میں نے جنگِ تبوک کے ان شہیدوں کی تعریف شروع کر دی جنھوں نے تلواروں کے سائے میں شہادت پائی۔ سیدنا زید بن حارثہ، سیدنا جعفر بن طیار اور سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم کے کارنامے بیان کر رہی تھی۔ اتنے میں ساس تشریف لے آئیں۔ میری ساتھی لڑکیوں نے انھیں سلام کیا۔ ساس نے جواب دیا۔ پھر ادھر ادھر دیکھا۔ ان کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ وہ باورچی خانے کی طرف چلی گئیں۔

اس وقت کا غصہ میری سہیلیوں کو اچھا نہ لگا۔ انھوں نے کہا۔ ''بی

سلمٰی! اب ہم چلیں۔ سنا تھا کہ تمھاری ساس بڑی اچھی طبیعت کی ہیں، لیکن دور کے ڈھول سہانے ہی والی مثل ہے۔''

اس طنز پر مجھے بڑا دکھ ہوا۔ میں نے دل ہی دل میں کہا کہ ساس کو اس وقت غصہ نہ کرنا چاہیے تھا۔ کیا بات ہے دو منٹ ہم مل کر بیٹھ کر ہنس بول لیتیں۔ پھر باتیں کیسی ہو رہی تھیں، مگر سچ ہے۔ ساس ساس ہی ہوتی ہے۔ میں یہ سوچ رہی تھی اور میری سہیلیاں جانے کے لیے کھڑی ہو چکی تھیں۔ اتنے میں ساس آئیں بولیں: ''کہاں چلیں؟'' میری ساس نے مجھے دیکھا۔ وہ اب بھی غصے میں تھیں۔ میری سہیلیوں سے کہنے لگیں۔ ''بچیو! تمھاری اس سگی کو توفیق نہیں ہوئی کہ تمھیں چائے کے لیے پوچھتی۔ میں چائے بنا رہی ہوں، چائے پی کر جانا، میں تم سے کچھ باتیں بھی کروں گی۔''

اس کے بعد میری ساس نے الماری سے ایک ڈبا لیا اور چلی گئیں۔ ہم سب ایک دوسرے کا منہ تکنے لگیں کہ میں سمجھ گئی۔ ساس اس بات پر خفا ہیں کہ میں نے مہمانوں کی خاطر نہیں کی۔ میری سہیلیاں پھر بیٹھ گئیں، لیکن اب وہ باتیں نہیں کر رہی تھیں۔ ایک دوسرے کو ٹکر ٹکر دیکھ رہی تھیں اور کچھ سوچ رہی تھیں۔ شائد یہ سوچ رہی تھیں کہ ساس کے مزاج کی اس وقت کی یہ تلخی بڑی میٹھی ہے اور

اس وقت ساس کی پتھر نظر جس نے قریب قریب ہم سب کے شیشہ دل کو توڑ دیا تھا۔ کلامِ نرم و نازک ہے۔

ہم سب یہ سوچ رہے تھے۔ میں مبہوت سی تھی۔ مجھ سے یہ بھی نہ ہوا کہ جا کر ساس کا ہاتھ بٹاتی۔ آخر میری ہی سکھیوں کی خاطر کے لیے تو باورچی خانہ میں جا گھسیں۔

میری ساس چائے لائیں۔ کچھ میٹھا اور نمکین بھی ٹرے میں تھا۔ مجھ سے کہنے لگیں: ''لے انھیں چائے پلا۔ پھر خود بھی سینگ کٹا کر بچھڑوں میں شامل ہوگئیں۔

میں نے لمبی سانس لی۔ چائے بنا کر دی۔ سب نے پی۔ پھر ساس پوچھنے لگیں۔ ''یہ جنگِ تبوک کی بات کیا ہو رہی تھی۔'' میں نے بتایا کہ صحابہ شوقِ شہادت میں اپنی جان کی پروا نہیں کرتے تھے۔

''ہوں......'' ساس نے بڑھ کر کہا۔ پھر بولیں۔ میں دو باتیں کہنا چاہتی ہوں۔ تم سب سلمٰی کے ناتے میری بیٹیاں ہو۔ پہلی بات تو یہ کہ سلمٰی نے تمھاری تواضع نہیں کی۔ یہ بات اسلامی تہذیب کے سخت خلاف ہے۔ مجھے تکلیف ہوئی۔ میں سلمٰی کی طرف سے تم سب سے معافی مانگتی ہوں۔ ''ہائے امی!......'' میں نے اپنا سر پیٹ لیا۔ ''مجھے معاف کردو۔ میں باتوں میں لگ گئی تھی۔''

"باتوں میں؟ بیٹی باتیں جیسی اچھی ہوں مگر اللہ اور رسول ﷺ کو بھولنا نہیں چاہیے تھا۔ تمھیں بتاؤں، ایک بار سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر کچھ مہمان آئے تھے۔ وہ گھر پر نہیں تھے۔ ان کے صاحبزادے سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے مہمانوں کی خاطر مدارت کی، لیکن بات اتنی ہوئی کہ مہمانوں کو کھانا دیر میں ملا تھا۔ بس اس پر سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو ڈانٹ پڑ گئی۔ پٹتے پٹتے بچے۔

بیٹیو! دوسری بات ذرا دھیان سے سننا۔ اللہ کرے تمھاری سمجھ میں آ جائے۔ یہ جو تم کہتی ہو کہ صحابہ شوقِ شہادت میں اپنی جان کی پروا نہیں کرتے تھے تو یہ سو فیصد صحیح ہے لیکن، میں ایک سو فیصد صحیح بات اور کہتی ہوں جس کی طرف آج کسی نے دھیان نہیں دیا۔

تم سب نے اسلامی تاریخ پڑھی ہوگی۔ اس سے تم نے جانا کہ صحابہ جہاد میں شہید ہونا ساری عبادتوں سے اچھا سمجھتے تھے۔ کیوں؟ کبھی تم نے سوچا ایسا کیوں تھا؟ تم جواب دوگی کہ انھیں یقین تھا کہ شہید کو جنت ملے گی اور قیامت میں صرف قرض کا حساب اس سے لیا جائے گا اور کوئی حساب نہ ہوگا۔

اس یقین پر ہمارا ایمان ہے، لیکن میں ایک اور یقین کے بارے میں تم کو بتاؤں! صحابہ کرام کو ایک اور یقین تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ جب

وہ جہاد میں شہید ہو جائیں گے تو ان کے بعد ان کے اہل و عیال لاوارث نہیں رہ سکتے۔

سچ مچ پیارے رسول ﷺ نے جو تعلیم دی تھی اس کا اثر یہ تھا کہ کوئی عورت چاہے وہ غریب ہو یا امیر، کنواری ہو یا بیوہ، خوب صورت ہو یا خوب صورت نہ ہو، بے شوہر کے نہیں رہ سکتی۔ ادھر شوہر کا انتقال ہوا اور ادھر عدت کے دن پورے ہوئے اور کسی نہ کسی مسلمان نے پیغام دیا اس کی شادی ہوگئی۔ وہ بال بچے لے کر دوسرے مسلمان کے گھر جا بسی۔

دیکھتی کیا ہو، تمھیں تعجب ہو رہا ہے۔ ہاں، بال بچوں سمیت۔ اور وہ بچوں کا سوتیلا باپ ان کی پوری کفالت کرتا تھا۔ آج کل کی طرح سوتیلے بچوں کی طرح ان کی درگت نہیں بنتی تھی۔

یہی واقعہ لو۔ تبوک کی لڑائی میں جعفر طیار رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔ ان کی بیوی سے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بیاہ کرلیا۔ ان کے گھر بیوی بھی آئیں اور سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ کا بیٹا محمد بھی۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو یہی بیوی جو پھر بیوہ ہوگئیں تھیں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں اور اب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے جن کا نام بھی محمد تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کفالت میں چلے گئے، پڑھا ہے نہ تم نے؟

اپنی بات کہتے کہتے میری ساس نے ہم سب سے سوال کر دیا۔

میں سوچ رہی تھی کہ امی نے یہ بات خوب نکالی اور میں ان کی سوجھ بوجھ پر دنگ رہ گئیں۔ سچ پوچھو تو ان کی انھی باتوں نے مجھے ان کا گرویدہ بنا دیا تھا۔ ورنہ میری زبان سے میرے میکے میں کون بچا تھا اور میرے ہاتھوں سے میرے بہن بھائی پناہ مانگا کرتے تھے۔ میں یہ واقعہ بھی سناؤں کہ میں نے کب سے اپنی زبان کو تالا لگایا؟

بات یہ ہوئی کہ ایک دن فاطمہ پر میں بری طرح خفا ہوگئی۔ میں نے اسے جھوٹا، نالائق اور نہ جانے کیا کیا بنا ڈالا۔ میں نے اسے پیٹنے کے لیے ہاتھ اٹھانا چاہا تھا۔ اتنے میں میری ساس آ گئیں۔ ان کے آنے سے میں نے ہاتھ روک لیا اور خفگی کی ہی حالت میں اپنے کمرے میں چلی گئی۔ اب سنیے! کس طرح انھوں نے میری زبان میں تالا لگایا اور میرے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈالیں؟

رات کو عشاء کے بعد ایک قصہ سنایا کہ ایک بار خلیفہ ہارون رشید شکار کو چلا۔ ساتھ میں وزیر، امیر، درباری لوگ اور لاؤ لشکر سب کچھ تھا۔ وہ ایک جنگل میں جا رہا تھا۔ وزیر ہارون رشید کی تعریف کر رہا تھا۔ حضور! آپ کا رعب سارے جہان پر ہے۔ اس جنگل کے جانور اور چڑیاں تک آپ سے مرعوب ہیں۔

وزیر اس طرح چاپلوسی کر رہا تھا۔ اچانک ایک جھاڑی سے آواز آئی۔ ’’کہنے والا بھی جھوٹا اور سننے والا بھی۔‘‘

ہارون رشید نے یہ سنتے ہی گھوڑا روک لیا۔ اس کے ساتھ سب رک گئے۔ اس نے جھاڑی کی طرف اشارہ کیا۔ سپاہی جھاڑی سے ایک بوڑھے فقیر کو پکڑ لائے۔ ہارون رشید نے اس سے پوچھا: تم نے کیا کہا تھا؟ فقیر نے جواب دیا کہ تمھیں بات کرنے کا بھی سلیقہ نہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ سوار پیادہ کو سلام کرے۔ تم کو چاہیے تھا کہ پہلے مجھے سلام کرتے پھر کلام کرتے۔

ہارون رشید نے یہ سنا تو پلٹ پڑا۔ اس کے ساتھ لاؤ لشکر بھی واپس ہوا۔ راجدھانی میں پہنچ کر حکم دیا کہ اس فقیر کو حاضر کیا جائے۔ یہ کہہ کر وہ اپنے خاص کمرے میں جا بیٹھا۔ اسی کمرے میں فقیر کو پہنچا دیا گیا۔ ہارون رشید نے صرف وزیر کو بیٹھا رہنے دیا اور سب کو ہٹا دیا۔ اس کے بعد فقیر کو بھی عزت سے بٹھایا۔ کھانا آیا سب نے ساتھ کھایا۔ اس کے بعد ہارون رشید نے فقیر سے پوچھا:

’’میں ایک بات آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں، آپ یہ بتائیں کہ فرعون مجھ سے اچھا تھا یا مجھ سے برا؟‘‘ ’’آپ فرعون سے اچھے ہیں کیونکہ وہ کافر تھا اور آپ مسلمان ہیں۔‘‘

''آپ نے سچ کہا۔'' اس کے بعد ہارون رشید نے کہا: ''اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے پاس بھیجا تو یہ فرمایا کہ اس سے نرمی سے بات کرنا وہ ایک بگڑا ہوا شخص ہے۔ حضرت! میں مسلمان ہوں۔ آپ کی نظر میں بگڑا سہی، لیکن جب ایک کافر کے ساتھ قولِ لین (کلام نرم و نازک) کا حکم ہے تو میں فرعون سے بھی گیا گزرا ہو گیا کہ آپ نے مجھے سارے لشکر کے سامنے پتھر سا پھینک مارا۔ میں کلامِ نرم و نازک کا حق دار تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ آپ نے اللہ کے حکم کے خلاف مجھ سے سلوک کیا۔ فقیر نے اپنی غلطی مان لی اور ہارون رشید سے معافی مانگ لی۔ اب ہارون رشید نے کہا: ''میں سمجھ گیا کہ آپ ایک متقی بزرگ ہیں۔ آپ کو دنیا کی ہوس نہیں، لیکن میرا قاعدہ ہے کہ جو میرے یہاں آتا ہے میں اسے تحفہ دیتا ہوں۔ امید ہے کہ آپ میرا تحفہ قبول فرمائیں گے۔'' یہ کہہ کر اس نے ایک طرف دیکھا اسی وقت ایک سپاہی اشرفیوں کی دو تھیلیاں لیے ہوئے آیا اور اس نے اس فقیر کے آگے رکھ دیں۔ فقیر نے سلام کیا تھیلیاں اٹھائیں، لے کر چلا۔ ادھر ہارون رشید نے وزیر کے کان میں کچھ کہا اور خود جھروکے پر جا بیٹھا اور باہر کا منظر دیکھنے لگا۔ یہاں یہ فقیر دروازے پر پہنچا۔ دروازے پر سپاہی کھڑے تھے۔ انھوں نے سلام کیا۔ فقیر نے دونوں

تھیلیاں انھیں دے دیں اور ہاتھوں کو اوپر کر کے زور سے پکارا۔ ''اے میرے مالک! تو نے مجھے ہارون رشید اور دنیا کے مال و زر سے بچا لیا۔ ہارون رشید نے جھروکے سے اسے دیکھا اور اس کی آواز بھی سنی۔ اتنے میں وزیر واپس آیا اور بولا۔ ''امیرالمومنین! آپ نے مجھے حکم دیا تھا کہ اگر یہ فقیر اشرفیاں اپنے ساتھ لے جائے تو اسے قتل کر دینا۔ وہ تو صاف بچ گیا۔ ہارون رشید ے وزیر سے کہا:

''یہ فقیر واقعی ولی ہے، لیکن زبان کا ذرا سخت تھا۔ اللہ کا شکر ہے کہ میں نے اس کی اصلاح کر دی۔''

''یہ واقعہ سنا کر ساس نے مجھ سے کہنے لگیں کہ بیٹی سلمٰی! تمھاری نند بھی اسی سلوک کی حق دار ہے۔ جاؤ! آج سے میں نے اسے تمھاری تربیت میں دے دیا۔''

فاطمہ میرے پاس بیٹھی تھی۔ میں نے اسے چمٹا لیا۔



نذیرن بُوا

ممی صاب نے بتایا کہ جب میں پہلے پہل یہاں آئی تو گھر میں سارے کے سارے ملازم مرد تھے۔ کلّو باورچی تھا۔ کانونیٹ سکول میں داخل ہونے کے بعد ہندوستانی کھانا سب سے پہلے اسی نے مجھے کھلایا۔ پھر صاحب کے دوست آتے رہے۔ سب سے ملاقاتیں اور باتیں ہوتی رہیں۔ میں نے ماحول کا جائزہ لیا۔ ایسا لگا کہ اس ماحول میں لوگ مسلمان تو ہیں، انھیں اسلام سے محبت بھی ہے، لیکن ہیں وہ سب میری طرح روایتی مسلمان۔ میں نے اسلام کے بارے میں ان سب سے بات کی تو سب کورے نکلے۔

اس ماحول میں آکر خود بخود میرے دل میں نماز میں سیکھنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ آپ اگر یہ سمجھتے ہیں کہ خود بخود کچھ نہیں ہوتا تو پھر یوں سمجھ لیجیے کہ کلّو باورچی جمعہ کے دن نماز پڑھنے جاتا تھا۔ اس دن وہ صاف ستھرے کپڑے پہنتا۔ کچھ دیر کے لیے اس پر مذہبیت طاری ہوتی۔ بڑے ادب کے ساتھ مجھ سے دو گھنٹے کی چھٹی مانگتا۔ ”میم

صاب! میں جمعہ کی نماز پڑھنے جارہا ہوں۔ میں کہتی، جاؤ!'' وہ چلا جاتا تین بجے آتا تو باورچیوں کا یونیفارم پہن کر باورچی بن جاتا۔ ہوسکتا ہے کہ کلّو باورچی کے جمعے نے میرے دل میں نماز کی چاہ پیدا کی ہو۔ایک دن کلّو نے مجھ سے کہا: ''میم صاب! ہمارے محلے میں ایک شخص کا انتقال ہوگیا ہے۔ اس کی بیوی اپنی ننھی بچی کے ساتھ گھر میں رہ گئی ہے۔ اس کا کوئی والی وارث نہیں۔ اس کی عدت کے دن ختم ہوگئے۔ اللہ نے آپ کو بہت کچھ دیا ہے۔ آپ نذیرن کو پناہ دیں تو اللہ آپ سے بہت خوش ہوگا۔ میری زندگی میں یہ پہلا دن تھا جب میں نے کلّو باورچی سے اسلامی اخلاق کی بات سنی۔ اس نے پہلے میرا ذہن یہ تھا کہ

بابر عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

کھاؤ! مزہ کرو اور مر جاؤ۔ زندگی ختم۔ میں نے سوچا کہ گھر میں کام کرنے والی ایک عورت ہو جائے گی، کہہ دیا کہ نذیرن کو لے آؤ۔

نذیرن بوا تیسرے دن میرے یہاں آگئیں۔ بستر ایک ٹاٹ میں لپٹا ہوا تھا۔ ایک بکس میں ان کی کپڑے چھ برس کی ایک بچی، اس کے ہاتھ میں لوٹا، لوٹے کے اندر کلاس اور گول گول لپٹا ہوا چٹائی کے اندر ایک کپڑا سا۔ تیس برس کی جوان نذیرن بوا، تندرست و توانا،

سانولا رنگ، نیلی شلوار، ہرے رنگ کا جمپر اور سفید دوپٹہ، یہ ان کا رنگ و روپ اور لباس تھا۔ گھر میں آئیں، برقع اتارا۔ ایک طرف بکس اور بستر رکھ دیا۔ سامنے کلّو تھا۔ اسے سلام کیا۔ کلّو نے میری طرف اشارہ کیا۔ میں سامنے کرسی پر بیٹھی تھی۔ نذیرن بوا اپنی بچی کو لے کر میری طرف بڑھیں۔ میں دیکھ رہی تھی۔ پاس آئیں۔ کہا: ''السلام علیکم'' پھر بچی سے کہا: ''بیٹی! ممی...... کو سلام کرو۔'' بچی نے بھی سلام کیا۔

میں ہنسنے لگی: میں ابھی ممی کہاں ہوں؟ نذیرن بوا جھینپ گئیں۔ بولیں۔ ''اب آپ ہی میری اور میری بچی کی ممی ہیں۔ عمر میں آپ مجھ سے چھوٹی ہیں۔ اس سے کیا ہوتا ہے۔ بڑائی بڑے پن سے ہوتی ہے۔ آپ نے مجھے پناہ دی۔ یہ آپ نے بھلائی کا کام کیا۔ اللہ آپ کو خوش رکھے۔ اللہ آپ سے راضی ہو؟

پھر وہی اللہ کی خوشی اور اللہ کی رضا والی اسلامی اخلاق کی بنیادی بات جو میں نے کچھ دن پہلے کلّو سے سنی تھی۔ اب نذیرن بوا سے سنی۔ میری دل میں جیسے کچھ پھٹ سا ہوتا ہے نا! اس طرح ہوا۔ دل ہی دل میں کچھ لفظ بنے۔ جو آواز نہ بن سکے۔ شاید غریبوں کے اسلام اور رئیسوں کے اسلام میں فرق ہوتا ہے۔ ایسا ہی کچھ دل نے کہا۔

میں نذیرن بوا کو ایک کوٹھڑی دے دی۔ انھوں نے جا کر کوٹھڑی

صاف کی۔ چھ برس کی بچی ماں کی مدد کرنے لگی۔ کوڑا کرکٹ اکٹھا کیا۔ کلّو کے پاس گئیں۔ اس نے کچھ کہا۔ اس نے کچھ جواب دیا تو نذیرن بوا نے کوڑا کرکٹ اکٹھا کر کے ایک طرف کونے میں دیکھا اور ایک ٹوٹی سی ڈھلیا سے ڈھانک دیا۔ پھر بچی سے کہا۔ ''بیٹی! وہ چوکے (بڑی اینٹیں) لے آؤ۔ میں یہ سب دیکھ رہی تھی۔ نذیرن بوا نے کوٹھڑی میں چوکوں پر اپنا بکس، بکس پر بستر رکھ دیا۔ پھر لوٹا اٹھایا، نل سے پانی لیا۔ ہاتھ منہ دھویا۔ وضو کیا۔ بچی نے بھی وضو کیا۔ مصلیٰ بچھایا۔ دونوں نے دو رکعت نماز پڑھی۔ پھر جب دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو روہانسی سی ہوگئیں۔ مجھے بڑا ترس آرہا تھا۔ میں نے سوچا کہ اس غریب کو کچھ تسلی دینی چاہیے۔ میں نے کہا: ''نذیرن بوا، جو کچھ ہوا، اسے بھول جاؤ، یہاں چلن سے رہوگی تو رہا ہی کروگی۔''

بولیں: ''ممی صاب! میں اپ کے یہاں چلن سے ہی رہنے آئی ہوں۔ یہاں آپ اور آپ کے صاحب کے ہوتے ہوئے کوئی میری طرف انگلی نہ اٹھا سکے گا۔''

میرے دل میں پھر کچھ پھٹ سے ہوا۔ شاید یہ کوئی احساس ہوتا ہے جس میں ہمدردی کی حس ہوتی ہے۔ میں نذیرن بوا کی بات سے دل میں بہت خوش ہوئی۔ ''اچھی عورت ہے۔'' پھر میں نے کلّو باورچی

سے کہا کہ نذیرن بوا کو وہ سامنے والی چارپائی دے دو۔

''بس یہی کافی ہے۔'' کہہ کر نذیرن بوا نے چارپائی اپنی کوٹھڑی میں بچھا دی۔ ''ممی صاب ہم دونوں ماں بیٹی کے لیے یہ کافی ہے۔''

دوپہر کو صاحب آئے۔ گھر میں ایک بچی اور جوان عورت کو دیکھا۔ اس وقت وہ دونوں ظہر کی نماز پڑھ رہی تھیں۔ نماز پڑھ کر ماں بیٹی نے صاحب کو سلام کیا۔ صاحب نے ایک روپیہ نکالا۔ بچی کو دینے لگے تو نذیرن بوا نے کہا: ''سرکار! آپ بچی کو پیسہ نہ دیجیے، بچی میں حرص پیدا ہو جائے گی۔ اس کے بدلے ہمیں ایک نئی چٹائی لا دیجیے۔ میں نے پہلی بار صاحب کی زبان سے ''ماشاء اللہ'' سنا۔ وہ مجھ سے کہہ رہے تھے۔ ''شیریں! آپ کے قدم، مبارک قدم یعنی قدم حضور کے آئے مرے نصیب کھلے۔'' میں نے پوچھا۔ کیا مطلب؟ بولے۔ ''آپ نے اللہ میاں سے اچھا سودا کیا۔ ہماری بخشش کا ٹھکانا کچھ نہ کچھ کر دیا آپ نے۔''

میں مسکرانے لگی۔ دل میں ایک خیال آیا۔ ''پرائی نماز سے ہمارا کیا واسطہ؟'' پھر کلّو نے کھانا لگایا۔ نذیران بوا غور سے دیکھ رہی تھیں۔ ہم نے کھانا کھایا۔ نذیرن بوا دیکھ رہی تھیں۔ کلّو نے میز صاف کیا۔ نذیرن بوا دیکھ ہی تھیں۔ پھر ہم آرام کرنے کمرے میں چلے گئے۔

نذیرن بوا اب ہمیں نہیں دیکھ سکتی تھیں۔ تنہائی میں نذیرن بوا کی کہانی میں نے سنائی۔ ''اچھا کیا آپ نے، شگون اچھا ہے۔'' کہہ کر صاحب نے کروٹ لی۔ پھر ہم سو گئے۔

تین بجے سو کر اٹھے۔ چار بجے چائے پی۔ صاحب اپنے کام پر چلے گئے۔ نذیرن بوا نے یہ سب دیکھا، پھر میں نے دیکھا کہ نذیرن بوا اور ننھی بچی نصیرن نے باورچی خانہ میں کام کرنا شروع کر دیا۔ میں یہ سب دیکھتی رہی۔ میں نے دیکھا کہ نذیر بوا نے عصر کی نماز پڑھی، پھر مغرب کی نماز پڑھی۔ پھر عشاء کی۔ عشاء کی نماز کے بعد صاحب آ گئے۔ ''نذیرن بوا! یہ لیجئے۔'' نذیران بوا خوشی خوشی آئیں۔ ناریل کی چٹائی اور ایک نیا مصلیٰ مخملی دیکھ کر آنکھوں سے لگایا۔ ''اللہ میاں! آپ دونوں کو دونوں جہانوں میں سرخرو کرے۔''

ایک ہفتہ کے اندر نذیرن بوا نے میری گھر کی باتیں سمجھ لیں۔ اب جب میں کلّو باورچی کو پکارتی تو نذیرن بوا حاضر ہو جاتی۔ یہ دیکھ کر میں نے کام تقسیم کر دیا۔ کلّو باورچی کو باہر کے سودا سلف اور باورچی خانے کے بڑے کاموں کا ذمہ دار بنایا اور نذیرن بوا کو گھر کے اندر کے کام سونپے۔ نذیرن بوا اس نظم سے بہت خوش ہوئیں۔ کہنے لگیں ۔ بڑی اچھی ہیں آپ۔ میں گھبرا رہی تھی کہ کہیں بازار نہ جانا

پڑے اور میرا پردہ ٹوٹ جائے۔ آپ نے میرا پردہ رکھ لیا۔ اللہ آپ کا پردہ رکھے۔'' ''میرا پردہ؟ میں کب پردہ کرتی ہوں اور تم یہ اتنا سخت پردہ کیوں کرتی ہو؟''

''پیارے رسول ﷺ نے فرمایا کہ عورتوں کو پردہ کرنا چاہیے۔''

''کیوں؟''

نذیرن بوا چپ ہوگئیں۔ کیوں کا جواب ان سے بن نہ پڑا۔ میں نے دیکھا کہ نذیرن بوا اپنی معصوم بچی نصیرن کو اپنے کام میں لگائے رکھتیں۔ بات بات میں، قدم قدم میں اسے نصیحتیں کرتیں۔ بری بات بیٹی! یوں نہیں، یوں، ارے توبہ! کھڑے کھڑے پانی پی لیا۔ بُری بات۔ پیارے رسول ﷺ نے منع کیا ہے۔ بیٹی داہنے ہاتھ سے پانی پیو۔ پیارے رسول ﷺ نے فرمایا ہے۔ خبردار بیٹی، جاؤ یہ دس پیسے کا سکے جہاں سے اٹھایا ہے وہیں ڈال آو۔ پیارے رسول ﷺ نے گری پڑی چیز اٹھانے سے روکا ہے۔ دیکھو بیٹی! گلاس یوں ہی ڈال دیا، اسے دھو کر رکھو۔ پیارے رسول ﷺ صفائی کو بہت پسند فرماتے تھے۔ توبہ! ناک چھنک کر انگلی نہیں دھوئی۔ بیٹی انگلی دھو لیا کرو اور دیکھو، پہلی داہنی چپل پہنو، پھر بائیں۔ پیارے رسول ﷺ نے اسی طرح سکھایا ہے۔ اسی طرح بات بات میں، قدم قدم پر نذیرن بوا اپنی بیٹی نصیرن

سے کہا کرتیں اور بالکل اس طرح جیسے کسی سرکس میں جانور رنگ ماسٹر کے اشارے پر کام کرتے ہیں۔ معصوم بچی ماں کے اشاروں پر کام کرتی تھی۔ بار بار پیارے رسول ﷺ، پیارے رسول ﷺ سن کر ایک دن میں نے پوچا۔ "نذیرن بوا! بچی نے دس پیسے کا سکہ اٹھا لیا۔ تم نے کیوں باہر پھنکوا دیا؟ کہنے لگیں۔ "ممی صاب۔ پیارے رسول ﷺ نے س بات سے منع فرمایا ہے۔

میں نے پوچھا۔ "کیوں منع کیا ہے؟"

نذیرن بوا کو "چون و چرا" نہیں آتی تھی۔ ان کے پاس جواب صرف یہ تھا یہ کہ پیارے رسول ﷺ نے فرمایا ہے اس لیے؟

نذیرن بوا جب فرصت پاتیں۔ ایک طرف اپنی بچی کو لے کر بیٹھ جاتیں یا عشاء کے بعد جب سارے کاموں سے فارغ ہوتیں۔ چارپائی پر پہنچتیں تو اپنی معصوم بچی نصیرن کو چھوٹی چھوٹی سورتیں یاد کراتیں، خود پڑھتی جاتیں، بچی دہراتی جاتی۔ وہ اسے بزرگوں کے قصے اور نبیوں کی کہانیاں سناتیں۔ نذیرن بوا کو یہ قصے، کہانیاں ان کے مرحوم شوہر سنایا کرتے تھے۔

میں یہ بتا چکی ہوں کہ کلّو باورچی کو جمعہ کی نماز پڑھنے کے لیے جاتے دیکھ کر میرا دل نماز کی طرف مائل ہوا تھا۔ ایک جمعہ کو دن کی

بات ہے۔ کلّو ادھر نماز کو گیا۔ ادھر نذیرن بوا اپنی بچی کو لے کر نماز پڑھنے لگیں۔ میں صاحب کے ساتھ کمرے میں قیلولہ کے لیے گئی۔ پھر اچانک خود بخود باہر آ گئی۔ نذیرن بوا نماز پڑھ چکی تھیں۔ میں نے ان سے کہا: ''مجھے نماز پڑھا دیجیے۔'' وہ بہت خوش ہوئیں۔ دعائیں دیں۔

نذیرن بوا نے پہلے وضو کر کے دکھایا، میں نے انہیں دیکھ کر دیکھ کر وضو کیا۔ پھر بوا بڑے ادب اور نرمی سے کہنے لگیں۔ ''ممی صاب! پیارے رسول ﷺ نے فرمایا ہے کہ ایسے کپڑوں میں نماز نہیں ہوتی جو اتنے ہلکے ہوں کہ ان سے بدن دکھائی دے۔ عادتاً میری زبان سے نکل گیا، کیوں؟'' کہنے لگیں اس لیے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے۔ ''اچھا خیر'' میں ایک کالی چادر نکال کر لائی جس طرح نمازی عورتیں سر کو چادر سے لپیٹتی ہیں۔ بوا نے اس طرح لپیٹنا بتایا۔ اس کے بعد وہ نماز کے لیے کھڑی ہو گئیں ان کے داہنی طرف میں اور ان کے بائیں طرف نصیرن کھڑی ہو گئی۔

نذیرن بوا آگے آگے بلند آواز سے کہتیں۔ میں دہراتی پھر جس طرح انھوں نے نماز کے ارکان ادا کیے، میں نے بھی ان کی نقل کی۔

اس پہلی نماز میں ایک خاص بات میں نے نوٹ کی۔ مجھے ایسا لگا کہ میں کانپ رہی ہوں۔ پوری چار رکعت نماز پڑھوائی۔ میں پسینے

سے شرابور ہو چکی تھی۔ چادر میرے بدن پر کمبل کی طرح بوجھ بن گئی تھی۔ میں نے کہا بس اور نذیرن بوا کی زبان سے نکلا۔ ''اللہ قبول فرمائے۔'' چادر اتار کر کمرے میں گئی تو صاحب کو جاگتے پایا۔ وہ کیمرہ کے پاس بیٹھے کچھ دھو رہے تھے۔ میں نے کہا کیا ہے؟ کہنے لگا ابھی دکھاتا ہوں۔ کچھ دیر بعد جب ان کا ''وقت ابھی'' آیا تو ایک تصویر میرے سامنے کر دی اور فرمایا: ''یہ آپ ہیں، کالی چادر میں ایسی لگ رہی ہیں جیسے کالی گھٹا میں سورج یا چاند ہو یا آسمان سے کوئی حور جھانک رہی ہو۔

سچی بات یہ ہے کہ کالی چادر میں میرا گورا چہرہ ایسا ہی لگ رہا تھا۔ میں نے اپنی تمام تصویروں کو ایک ایک کر کے دیکھا۔ میں اتنی حسین کسی تصویر میں نہیں تھی۔ صاحب نے بتایا کہ جب آپ کمرے سے نکل کر گئیں تو میں نے یہ بات غیر معمولی پائی۔ میں نے کواڑوں کی دراز میں دیکھا تو حضور والا کو اس پوزیشن میں پایا۔ بہت اچھی لگی تو فوٹو لے لیا۔'' مجھے یاد آیا کہ کالج میں جمیلہ کالا برقع پہن کر آتی تھی۔ وہ بھی ایسی ہی لگتی تھی۔

اس دن صاحب موڈ میں تھے۔ میں نے ان سے پوچھا۔ ''نماز کیوں پڑھی جاتی ہے؟'' صاحب نے بتایا کہ اسلامی تھیوری میں ہر نیکی

اور عبادت کا مقصد رضائے الٰہی ہے۔ نماز بھی ایک عبادت ہے۔ میں نے رضائے الٰہی اور عبادت کی تفصیل چاہی تو صاحب نے وہ جواب دیا جس کی میں توقع نہیں کرتی تھی اور نہ کبھی اس طرح ان سے تبادلہ خیال ہوا۔ میں سمجھتی تھی کہ صاحب اسلام کے بارے میں کچھ نہیں جانتے، لیکن ان کا جواب سنیے: انھوں نے کہا کہ اسلام نیکی اسے کہتا ہے جس کے کرنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اور بدی وہ ہے جس کے کرنے سے اللہ نے روک دیا ہے۔ اس کے بعد ان کی مزید تفصیل نے مجھے دنگ کر دیا۔ کہا کہ عبادت اور نیکی اگر اس لیے کی جائے اللہ خوش ہوگا تو وہ عبادت ہے، لیکن اگر عبادت اور نیکی کرنے کا مقصد شہرت ہو یا یہ کہ لوگ تعریف کریں تو اسے اسلام ریاکاری کہتا ہے۔ اسی طرح برائی جیل یا بدنامی کے ڈر سے نہیں، اسلام کہتا ہے کہ اللہ کے ڈر سے چھوڑو۔

صاحب نے بات انگریزی میں کہی تھی۔ یہ وہی بات تھی جو نذیرن بوا اپنی بولی میں کہا کرتی تھیں۔ میں نے صاحب سے کہا کہ آپ مجھے ایسی کتاب لا دیجیے جس میں نماز کے متعلق تمام باتیں مل جائیں۔ دوسرے دن جب صاحب باہر آئے تو ان کے ہاتھ میں ایک کتاب تھی فوکس آف اسلام اور ان کے ساتھ ایک مولوی صاحب

تھے۔ کتاب دے کر مجھے کہا کہ نذیرن بوا دو، چار دن میں آپ کو نماز سکھا دیں گی لیکن صرف نماز کافی نہیں ہے۔ باقی باتیں کچھ کتاب میں مطالعہ کیجیے اور کچھ مولانا سے حاصل کیجیے۔ مولانا اردو اور عربی پڑھائیں گے۔ پھر آپ خود جتنا مطالعہ کر سکیں۔

لیجیے، مولانا مجھے اردو عربی پڑھانے لگے۔ بوا نے ایک ہفتہ کے اندر رواں کر دیا لیکن ان دونوں سے زیادہ کتاب نے مجھے اسلام سے واقفیت بہم پہنچائی۔ فوکس آف اسلام پڑھ کر مجھے صاحب کے بارے میں رائے بدلنا پڑی۔ میرے دل نے کہا کہ نور ہی نور ہے اس پردۂ زنگاری میں۔

ایک دن خود بخود صاحب سے سائنٹیفک بحث شروع ہوگئی۔ ابتدا یوں ہوئی کہ نذیرن بوا کو جمائی آئی۔ میں نے دیکھا کہ انھوں نے منہ کھولا۔ اپنی بائیں پشتِ دست (بائیں کی ہتھیلی کے دوسری طرف کا حصہ) منہ پر رکھ لیا۔ پھر انہیں چھینک آئی۔ چھینک آنے پر انھوں نے الحمد للہ کہا۔ میں یہ سب کچھ دیکھ سن رہی تھی۔ میں نے بوا کو پاس بلایا۔ پوچھا کہ جمائی آنے پر ہتھیلی کے دوسری طرف کا حصہ منہ پر کیوں رکھا تھا اور چھینک آنے پر الحمدللہ کیوں کہی۔

نذیرن بوا نے وہی جواب دیا جو انھیں رٹا ہوا تھا کہ نبی ﷺ نے

ہمیں اسی طرح سکھایا ہے۔ بوا سے تو میں نے کہہ دیا کہ جاؤ۔ پھر صاحب کی طرف دیکھ کر کہا کہ آپ نے یرحمك الله کہا تو میں آپ سے اس کی وجہ پوچھوں تو آپ بھی یہی کہیں گے کہ نبی اکرم ﷺ نے اسی طرح سکھایا ہے، لیکن میں سمجھتی ہوں کہ یہ جو بات بات میں نبی ﷺ کا حوالہ دیا جاتا ہے یہ بلاوجہ نہیں ہوسکتا، کیا آپ کو اس کا سائنٹیفک جواب معلوم ہے۔ آپ سے میں اس لیے پوچھ رہی ہوں کیونکہ میرا خیال ہے کہ آپ نے اسلام کا گہرا مطالعہ کیا ہے۔

میں نے دیکھا کہ صاحب کا چہرہ اتر گیا۔ وہ اُداس ہوگئے۔ مجھے ایسا لگا جیسے ان کی قیمتی شے کھوگئی جس پر انھیں افسوس ہورہا ہے۔ بولے ''شیریں! کیا بتاؤں، یوروپین تہذیب اپنا کر ایسا لگ رہا ہے جیسے ہیرے جواہرات چھوڑ کر ٹھیکروں پر ریجھ گیا ہوں۔ جب سے نذیرن بوا کو دیکھا، کبھی ان جواہرات کی چمک دمک نظروں کے سامنے گھومنے لگی جو مجھے ورثے میں ملی تھیں۔ یہ اسلام کی دولت تھی۔ میں نے اسلام کے بارے میں بہت کچھ پڑھا ہے۔ یورپین مفکرین کے افکار بھی میرے ذہن میں ہیں اور قرآن وحدیث کے دلائل بھی لیکن یہ میری بدنصیبی ہے کہ دنیوی خواہشوں نے مجھے اندھا کردیا۔ میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ ہمارے اور اس سارے جہان کے رسول ﷺ

ڈاکٹر نہیں تھے لیکن ڈاکٹری اصول کو لیجیے۔ علم طب کہتا ہے کہ جمائی آنے پر جبڑوں کا پھیلنا ایسا عمل ہے جس میں یکدم ہوا کا دباؤ پڑنے سے کبھی کبھی منہ کھلا کا کھلا رہ جاتا ہے۔ زیادہ ہوا کے پاس ہونے کو ہاتھ سے روکا جاتا ہے۔ اس میں حکمت یہ دیکھیے کہ نبی ﷺ نے پشتِ دست رکھنا سکھایا ہے جبکہ میں کہہ چکا ہوں کہ آپؐ ڈاکٹر نہیں تھے۔ اسی طرح چھینک کے بارے میں علم طب کہتا ہے کہ چھینک آنے پر دماغ کی ساری چولیں ہل جاتی ہیں اگر ایک سیکنڈ بھی دماغ پھر اپنی جگہ قائم نہ ہو جائے تو انسان کی موت ہو سکتی ہے۔ چھینک آنے کے بعد گویا ہمیں دوبارہ زندگی ملتی ہے۔ اس لیے مسلمان الحمدللہ کہتا ہے اور میں نے جو یرحمك الله کہا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اے وہ جسے چھینک آئی، تجھ پر اللہ نے رحم کیا، ورنہ اگر تیرا دماغ فوراً ہی اپنی جگہ قائم نہ رہتا تو تیری موت یقینی تھی۔

شیریں! میں آپ کو بتاؤں۔ آپ ﷺ ڈاکٹر نہیں تھے لیکن آپ نے جو تعلیم مسلمانوں کو دی وہ بالکل سائنٹیفک ہے۔ یہ ثبوت ہے اس بات کا کہ واقعی آپ ﷺ اللہ کے رسول تھے اور آپ کا ہر عمل اللہ کے اشارے پر ہوتا تھا۔

یہ سن کر میں دنگ رہ گئی۔ میری زبان سے بے ساختہ صلی اللہ

علیہ وسلم نکلا۔ دوسری طرف میں نے صاحب کو دیکھا۔ ان کی آنکھوں کی دونوں جھیلیں موتیوں کی سی آب سے بھری تھیں۔ اس وقت وہ مجھے ایسے اچھے لگ رہے تھے کہ میں نے بڑھ کر ان کے ہونٹ چوم لیے۔ انھوں نے انگلی میرے گالوں پر لگا کر ہٹایا اور کہا: ''سنترے کا شربت پلا دوں۔'' میں نے نذیرن بوا کو پکارا تو صاحب نے فرمایا: ٹھیک ہے۔ مسیحا ہی کے ہاتھ سے دوا پینا ٹھیک ہے۔''

ایک دن میں نے صاحب سے کہا: ''آپ نذیرن بوا سے بہت متاثر معلوم ہوتے ہیں جبکہ وہ ایک جاہل عورت ہے اور آپ تعلیم یافتہ۔ اب سنیے: اس کا جواب صاحب کی زبان سے۔ فرمایا: ''شیریں! اسلام میں جاہل سب سے بڑی گالی ہے۔ جاہل اس شخص کو کہتے ہیں جو حق بات کو حق جانتا ہے اور پھر اس کے خلاف عمل کرتا ہے اور اپنے اس عمل پر اصرار کرتا ہے۔ اس معنی میں تو ہم خود جاہل ہیں اور نذیرن بوا عالم ہیں۔ بیشک وہ اسلام کی تھیوری نہیں سمجھتیں لیکن عمل نے اُسے مشین بنا دیا ہے اور وہ ہمارے لیے ایسا نمونہ ہیں جسے دیکھ کر اہم اسلام کو چلتا پھرتا محسوس کر سکتے ہیں۔''

یہ سب جان کر ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ میں تین اطراف سے اثر قبول کر رہی تھی۔ ''فوکس آف اسلام'' کتاب مجھے اپنی طرف کھینچ رہی

تھی۔ صاحب کی وضاحتیں اپنا کام کر رہی تھیں اور سب سے بڑی بات یہ کہ نذیرن بوا مجسم نمونہ میرے سامنے تھیں۔ نذیرن بوا مجھ پر چھائی جا رہی تھیں۔ اب میں فرصت کے اوقات میں نذیرن بوا کو پاس بلا لیتی اور ان سے باتیں کرتی رہتی تھی۔ بالآخر جس نتیجے پر میں پہنچی وہ یہ ہے کہ بیشک علم کا ایک مقام ہے اور بیشک علم کے بغیر کوئی اللہ کو نہیں پہچان سکتا، لیکن عمل کے بغیر علم والے کی مثال اس گدھے کی سی ہے جس پر کتابیں لدھی ہوں۔ جس دن یہ مجھ پر کھلی اسی دن میں نے نذیرن بوا کو اپنا...... ماسٹر مان لیا۔ عجیب و غریب انقلاب جو میرے اندر ہوا وہ یہ ہے کہ اب میں بھی ہر اچھی بات کی یہی دلیل دیتی ہوں کہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ نے ایسا کرنے کو فرمایا ہے۔ ایک دن نجمہ نسرین مجھ سے الجھ پڑی تو میں نے کہا: ''نجمہ! ہر کیا اور یوں کا جواب کسی شخص کے بس کا نہیں اور یہ کہ دنیا کی لاکھوں چیزوں پر کون ریسرچ کر سکتا ہے، ہمارے لیے خیر اسی میں ہے کہ ہم اللہ کے رسول ﷺ کو اتھارٹی مان لیں اور خاموشی سے آپ ﷺ کی بتائی ہوئی لائن اپنا لیں۔ اس میں ہمارے لیے آسانی بھی ہے اور اسی میں بھلائی بھی۔ اسی طرح جیسی یہ ہیں ہماری نذیرن بوا۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ۔

ضمیر

اچھا بس کہانی ختم۔ اب جاؤ، سو رہو امی جان نے کہا اور ہم سب اٹھے اپنی اپنی چارپائی پر جا لیٹے۔ سدّو بھی جا کر لیٹ گیا۔ امی بھی اپنی چارپائی پر جا بیٹھیں۔ ایک نظر ہم سب پر ڈالی اور لیٹ گئیں۔ اچانک سدّو اٹھ کر اپنی چارپائی پر بیٹھ گیا اور امی جان کی طرف دیکھ کر بولا: امی جان! دیکھئے تو، ہمارے اندر بھی ایک آدمی ہوتا ہے۔''

''ارے واہ!'' ہم سب کی زبان سے نکلا۔ اس نے پھر کہا: ''سچ مچ امی جان! ہمارے اندر ایک آدمی ہوتا ہے!''

دوسری بار کہا تو امی نے پوچھا۔ ''اس کا نام کیا ہے؟''

''نام تو مجھے نہیں معلوم لیکن ہوتا ہے۔'' سدّو نے جواب دیا۔

''امی! یہ یوں ہی بے سر پیر کی کرتا ہے۔'' صفو باجی نے لیٹے لیٹے کہا اور سدّو جھنجلا گیا۔ بولا:

''آج اس اندر کے آدمی نے بات کی تھی۔''

''بات کی تھی؟'' امی جان نے تعجب کے ساتھ کہا اور ہم سب بھی

کبھی امی کا منہ تکتے اور کبھی سدّو کو دیکھتے۔

''کیا بات کی تھی؟'' امی نے سدّو سے پوچھا۔

''امی! بات ایسی ہی کہ میں بتانا نہیں چاہتا آپ خفا ہوں گی۔''

''بتاؤ تو، دیکھوں بات کیا ہے۔''

''چوری کی بات ہے امی!''

''چوری کی!'' اب تو ہم سب اپنی اپنی چارپائی پر اُٹھ کر بیٹھ گئے۔ ہم سمجھ گئے کہ آج سدّو جھوٹ بکے گا۔ لیکن بات ہوگی مزیدار۔ امی نے کہا۔

''اچھا سناؤ۔ سنوں تو، کیا ہوا۔ کیا تم نے آج چوری کی؟''

''نہیں امی چوری تو نہیں کی۔ لیکن آج میرا ایمان خراب ہوگیا تھا۔'' ''کیسے؟''

''وہ ایسے امی! آج آپ نے تیل لینے بھیجا تھا نا! تو میں گیا۔ صدیق بھائی دوکان پر بیٹھے تھے۔ میں نے ان سے کہا کہ ایک روپیہ کا تیل دے دیجیے۔ انھوں نے مجھے تیل دیا۔ اتنے میں عصر کی اذان ہونے لگی۔ انھوں نے مجھ سے کہا۔ ''سدّو بیٹے! ذرا دیر دکان پر بیٹھے رہو میں نماز پڑھ کر آتا ہوں۔''

''امی! میں دوکان پر بیٹھ گیا۔ صدیق بھائی اٹھ کر چلے گئے

انھون نے صندوقچی میں قفل بھی نہیں لگایا۔ جب انھوں نے میرا روپیہ صندوقچی میں رکھا تو میں نے دیکھا تھا...... صندوقچی میں ڈھیروں نوٹ تھے۔'' اچھا تو وہیں تیری نیت خراب ہوگئی۔

''ہاں امی! مگر سنیے تو میری نیت خراب ہوگئی تھی مگر میں نے چوری نہیں کی۔''

''تو کیسے بچ گیا؟''

''امی جاں! اسی میرے اندر کے آدمی نے بچالیا۔''

''ارے واہ! پھر وہی بات!'' ہم سب اپنی اپنی چار پائی بیٹھے بیٹھے سوچتے رہے۔ اب تو ہم سب کو کہانی کا مزہ آنے لگا۔ امی جاں نے پوچا۔''اس نے کیسے بچالیا؟''

''اس نے ایسی بچا لیا امی! کہ پھر وہ جو ڈھیروں نوٹ میں نے دیکھے تھے نا! تو میں نے سوچا کہ ایک مٹھی نکال کر جیب میں رکھ لوں۔ میں نے صندوقچی کی طرف ہاتھ بڑھایا اور اِدھر اُدھر دیکھا کہ کوئی میری طرف دیکھ تو نہیں رہا ہے۔''

''مگر یہ تو بھول گیا کہ اللہ میاں تو دیکھ رہے ہیں۔''

''ہاں امی! یہ تو معلوم تھا لیکن اس وقت میں سب کچھ بھول گیا۔ اللہ بھلا کرے میرے اندر کے آدمی کا۔ اس نے جیسے ہی صندوقچی کی

طرف میرا ہاتھ بڑھتے دیکھا۔ پکارا:

''سدّو! بری بات! چوری کرنا بری بات ہے۔'' میرا ہاتھ جھٹ سے سمٹ گیا۔ پہلے تو میں سمجھا کہ پاس والا دوکاندار روک رہا ہے مگر اس وقت پاس والا دوکاندار اپنے گاہکوں کو سودا دے رہا تھا۔ میں نے سوچا کہ پھر کسی نے مجھے ٹوکا ہے۔

میں نے سوچا کہ شاید ڈر کی وجہ سے آپ سے آپ میرے کان بجے۔ میں نے پھر صندوقچی کی طرف ہاتھ بڑھایا اور ذرا سا اس کی طرف کھسک بھی گیا اچانک پھر میں نے سنا۔ ''سدّو میاں کیا کرتے ہو۔ تمھاری امی نے بتایا ہے کہ چوری کرنا گناہ ہے چوری کرنے والے سے اللہ میاں ناراض ہو جاتے ہیں۔''

میں پھر ڈر گیا۔ میں پھر اپنی جگہ بیٹھ گیا اور اب سوچنے لگا کہ یہ آواز تو میرے جسم کے اندر سے آ رہی ہے۔

''کسی اور نے بھی یہ آواز سنی۔'' رفو! پیالے اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے پوچھا۔ ''نہ، وہ آواز ایسی تھی کہ میرے سوا کوئی سن بھی نہیں سکتا تھا۔ تعجب کی بات یہ تھی کہ میرے اندر کا آدمی مجھے ٹوک کر چپ ہو جاتا تھا۔

تیسری بار میں نے دل کو پکا کر کے صندوقچی میں ہاتھ ڈال دیا۔ اچانک میرا دل دھڑکا اور پھر میرے اندر کے آدمی نے اس زور سے

مجھے ڈانٹا کہ میں کانپ گیا۔ اس نے کہا:

''کیا کرتے ہو سدّو میاں! اللہ سے ڈرو۔ وہ دیکھ رہا ہے۔''

یہ ڈانٹ سن کر میں نے صندوقچی بند کردی۔ اپنی جگہ آ بیٹھا لیکن میں بیٹھا بیٹھا کانپ رہا تھا۔ اتنے میں صدیق بھائی آ گئے، پوچھا ''کوئی سودا لینے آیا تھا کہ نہیں؟'' میں نے جواب دیا۔ کوئی نہیں آیا تھا۔ ''اچھا بیٹے! اب تم جاؤ' صدیق بھائی نے مجھ سے کہا اور میں چلا آیا۔ بس تب سے یہی سوچ رہا ہوں کہ میرے اندر ایک آدمی ضرور ہے جو مجھے برائیوں سے ٹوکتا ہے۔ امی جان! یہ آدمی کون ہے؟''

امی جان نے بتایا ''بیٹا! اس کا نام ضمیر ہے۔ ضمیر نام کا آدمی ہر آدمی کے اندر ہوتا ہے جو لوگ اس کا کہنا مانتے ہیں وہ نیک بن جاتے ہیں جو لوگ بار بار اس کے ٹوکنے پر نہیں مانتے تو یہ آدمی کمزور ہو جاتا ہے اور پھر ایک دن ایسا آتا ہے جب یہ بالکل نہیں ٹوکتا جب یہ نہیں ٹوکتا تو لوگوں کے دلوں سے نیکی کا خیال نکل جاتا ہے اور وہ برے بن جاتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں سے اللہ میاں سدا کے لیے ناراض ہو جاتے ہیں۔ تم سب اللہ کا شکر ادا کرو۔ کہ تم سب کا ضمیر زندہ ہے۔ اچھا اب سو جاؤ۔ ہم سب پھر لیٹ گئے اور نیند کی گود میں جا پہنچے۔



بجلی کا بھوت

صفو پہلے تو اتنا نہیں ڈرتی تھی، لیکن جب سے وہ خالہ جان کے یہاں پانچ چھ مہینے رہ کر آئی ۔ تب سے بڑی ڈر پوک ہو گئی۔ دن کو تو خیر کھیل میں لگی رہتی، لیکن رات ہوتے ہی اس پر ڈر سوار ہو جاتا۔ شام ہوتے ہی امی جان کے پاس گھس گھس کر بیٹھتی اور پھر چاہے کچھ ہو، جب تک سو نہ جاتی، ان کا پلو نہ چھوڑتی۔ اکیلے پاخانہ پیشاب کے لیے جانا تو الگ رہا۔ رات کو وہ کمرے میں بھی نہ جاتی اور جب اندھیرا ہوتا، تب تو اس کی جان پر بن جاتی، اپنے سائے سے بھڑکتی۔ پانی کے مٹکے کو وہ بھوت سمجھتی، سیمنٹ کی بوریوں کو بھوت سمجھتی، گملے کے پودے کو بھوت سمجھتی، اور نہ جانے کتنی جانی پہچانی چیزیں رات کو اسے بھوت نظر آتیں۔

سورج چھپتے ہی چڑیاں بسیرا کرنے اپنے گھونسلوں کو جاتی ہی ہیں ۔اس وقت اگر کوئی کوا ''کاؤں کاؤں'' کرتا نکلتا تو سمجھی کہ بھوت آ گیا اور ''کھاؤں کھاؤں'' کہتا ہے ۔صفو ڈر کر امی جان کی گود میں منہ چھپا

لیتی دیوار پر بکری کا سایہ دیکھتی تو اسے بھوت سمجھ کر چیخ مارتی ۔ہمارے گھر کے آنگن کی طرف ایک نالہ ہے رات کو اسے دیکھتی تو سمجھتی بھوت جھانک رہا ہے ڈر کر آنکھیں بند کر لیتی اور اوندھی پڑ جاتی ۔ایک دن امی جان نے برقعہ کھونٹی پر ٹانک دیا دن میں دسیوں بار صفو نے اسے دیکھا لیکن جب رات ہوئی۔تو اس برقعے کو دیکھ کر اس کی جان ہی نکل گئی۔

ہم لوگ اسے دن میں ہر اس چیز کو دکھاتے جسے وہ رات کے وقت بھوت سمجھ بیٹھتی ۔وہ مسکراتی اور ہاں ہاں کرتی ۔لیکن رات کو اس کی عقل پر پتھر پڑ جاتے اور وہ وہم میں پھنس جاتی ۔کبھی کبھی جواب دیتی کہ خالہ جان کے گھر ننھی آپا پر بھوت آتے میں نے خود دیکھا، ننھی آپا جھوم رہی تھیں ۔ڈھیروں مرچیں جلا کر ان کی ناک میں ٹھونسی گئیں تب بھوت بھاگا۔جمعرات کو پھر آیا تو میاں جی آئے ۔اور انھوں نے بھوت کو شیشی میں بند کر کے جلوا دیا ۔پڑوس میں نذیرن پر چڑیل آئی ۔اور ڈھیروں مٹھائی کھا گئی ۔خالہ جان ہمیں بھوت اور چڑیلوں کی کہانیاں بھی سناتیں اور نصیحت کرتی تھیں کہ دیکھو باہر نہ نکلا کرو نہیں تو بھوت چپٹ جائے گا۔

صفو کی یہ باتیں سن کر ہم سب سمجھ گئے کہ اچھا یہ بات ہے خالہ

جان نے ایسی کہانیاں سنا سنا کر اسے وہمی بنا دیا ہے۔اب ہم سوچنے لگے کہ کس طرح صفو کو سمجھائیں کہ:

کھاؤ دھوکا نہیں   بھوت ہوتا نہیں

وہم کی بات ہے   سب خرافات ہے

ہم یہ سوچ ہی رہے تھے کہ ایک دن اچانک بھائی جان کراچی سے آگئے۔ہم سب کے لیے ڈھیروں کھلونے اور طرح طرح کی مٹھائیاں لائے۔ہم سب بڑے خوش تھے۔کھلونے اور مٹھائیاں پانے کی خوشی تو تھی ہی سب سے بڑھ کر خوشی کی بات یہ تھی کہ اب مزیدار کہانیاں سننے میں آئیں گی۔ بھائی جان جب کراچی میں نوکر نہیں ہوئے تھے تو گھر پر رہتے ہمیں پڑھاتے اور اچھی اچھی کہانیاں سنایا کرتے تھے۔

رات ہوئی ہم سب بھائی جان کو گھیر کر بیٹھ گئے۔صفو امی جان کے پاس جا گھسی بھائی جان نے ہم سب سے پوچھا ''صفو کیوں نہیں آئی؟'' ہم نے بھائی جان کو اس کا سارا حال کہہ سنایا۔ اب بھائی جان اٹھے اسے گود میں لے آئے اپنے سامنے بٹھایا اور بولے۔''آج میں تم سب کو بجلی کے بھوت والی کہانی سناؤں گا۔''

''بجلی کا بھوت!'' نئے قسم کے بھوت کا نام سن کر صفو یکدم اچھل

پڑی ۔اور بھائی جان کی گود میں جا گری۔ہم سب ہنسنے لگے۔ بھائی جان پہلے تو جب کہانیاں سناتے تو ہم سب سے خوب خوشامد کروا لیتے۔لیکن آج انہوں نے ذرا بھی تو دیر نہیں کی ۔جیسے ریکارڈ پر سوئی رکھی اور وہ بولنے لگتا ہے ۔بس اسی طرح بھائی جان چالو ہو گئے۔

دیکھو بھئی !بجلی کے بھوت سے میرا مقابلہ ہو چکا ہے ۔"

"ایں!آپ کا مقابلہ ہو چکا ہے ۔"میں نے پوچھا اور اس کے ساتھ ہی صفو چمک کر بولی"لو دیکھو،تم تو کہتے تھے :"بھوت ہوتا نہیں کھاؤ دھوکا نہیں

وہم کی بات ہے سب خرافات ہے"

اس کے بعد ایک کے بعددوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا ہم میں سے ہر ایک نے باری باری پوچھنا شروع کر دیا۔"تو بھائی جان کیا سچ مچ بھوت ہوات ہے ؟جب آپ کراچی نہیں گئے تھے تو بتایا کرتے تھے کہ بھوت ووت سب وہمی باتیں ہیں۔"

چاروں طرف سے سوالوں کی یہ بوچھاڑ ہوئی تو بھائی جان مسکرائے بولے تمھارے سب سوالوں کے جواب اس کہانی کے آخر میں آپ سے آپ مل جائیں گے ۔"ہم سب چپ ہو گئے صفو بھی سنبھل کر بیٹھی تو بھائی جان نے اس طرح بجلی کے بھوت کا قصہ بیان

کرنا شروع کیا:

''دیکھو بھئی، تم سب جانتے ہو کراچی گئے ہوئے مجھے ایک سال سے کچھ ہی مہینے زیادہ ہوئے ہیں روزگار کی تلاش میں کراچی گیا تھا۔ امی جان سے جو روپے لے کر گیا تھا وہ کچھ ہی دنوں میں خرچ ہو گئے لیکن کہیں کام نہ ملا اب مجھے پریشانی ہونے لگی ۔ پریشانی یہ کہ ایسے بڑے شہر میں گزر کیسے ہو، تین چار روپے روز کا خرچ کھائیں کہاں سے ؟ اچھا پھر اگر کراچی سے جائیں تو اب کہاں اور کیسے جائیں؟ پیسہ پاس نہیں ٹکٹ کے لیے روپیہ کہاں سے لائیں؟ تو بھائی میری پریشانی میرے چہرے سے ظاہر ہوتی تھی ۔ جان پہچان کا کوئی آدمی بھی وہاں نہیں ملا جس سے قرض لے لیتا بس ایک اللہ کا سہارا تھا۔ اسی کی ذات سے امید تھی جب اس نے پیدا کیا ہے تو روزی بھی وہی دینے والا ہے ہمارا کام تو یہ ہے کہ ہم کوشش کریں اور روزی کی تلاش میں رہیں۔

اچھا تو جس دن میرے پاس پیسے ختم ہو گئے اس دن میرے روئیں روئیں سے دعا نکل رہی تھی۔ مجھے امی جان اور تم سب یاد آرہے تھے میں نے امی جان سے وعدہ کیا تھا کہ کراچی جاتے ہی روپے بھیجوں گا وہاں میں خود بھوکا تھا سچی بات یہ ہے کہ جب تم سب

یاد آئے تو مجھے رونا آ گیا۔ میں نے اللہ میاں سے گڑگڑا کر دعا مانگی اور پھر ایک طرف حلال کمائی کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔

میں نڈھال صورت بنائے جا رہا تھا کہ سامنے سے ایک فقیر آتا دکھائی دیا۔ میں نے اسے اور اس نے مجھے دیکھا نہ جانے کیوں ہم دونوں رک گئے اور ایک دوسرے کو غور سے دیکھنے لگے۔ مگر اچانک وہ فقیر مجھ سے کہنے لگا۔ ''بچہ! تمھارا نام رشید ہے نا!''

فقیر کی آواز کچھ جانی پہچانی معلوم ہوئی۔ لیکن میں پھر بھی پہچان نہ سکا میں نے کہا ''ہاں باباجی میرا نام تو رشید ہی ہے آپ نے کیسے جانا؟'' فقیر مسکرا کر بولا۔ ''ہم بابا لوگوں سے کچھ چھپا نہیں آؤ میرے ساتھ تو تم کو بتاؤں۔

میں نے اپنے دل میں کہا ''غلط بات ہے وہ تو صرف خدا ہے ۔جس سے کچھ چھپا نہیں ہے ۔یہ فقیر جھوٹا اور مکار ہے'' یہ سوچ کر میں نے اس کے ساتھ جانے سے انکار کیا۔ اب وہ فقیر میرے سر ہو گیا ۔چپکے سے میرے کان میں کہا احمق ہو، مجھے اب تک پہچانا نہیں میں تو تمھارا دوست نصیر ہوں، آؤ میرے ساتھ!''

''ہائیں! تم نصیر ہو؟'' تعجب کے ساتھ میری زبان سے نکلا ۔میں آواز تو پہچان ہی چکا تھا اس کے ساتھ ہو لیا۔ وہ مجھے لے کر ایک جگہ

پہنچا۔وہ جگہ اس نے کرایہ پر لے رکھی تھی۔ وہاں پہنچ کر اس نے فقیروں کا لباس اتار ڈالا۔لمبی سی بناوٹی داڑھی ایک طرف پھینکی اور بھوری بھوری جٹائیں دوسری طرف ،گیردا لباس اتار اتو وہ سچ مچ میرا دوست نصیر بن گیا میں ہنس پڑا۔

اس کے بعد ایک ہوٹل میں لے گیا۔وہاں پھل ،میوہ ،مٹھائی اور بسکٹ پیٹ بھر کر کھلایا۔چائے پلائی یہ سب کھا پی کر جب میں اس کے ساتھ واپس ہوا تو میں نے پوچھا''تم نے یہ کیا ڈھونگ رچایا ہے؟''وہ مسکرایا اور بولا''ارے میاں رشید!تم اسے ڈھونگ کہتے ہو ،میرے ساتھ رہو ۔میں تم کو بھی سکھا دوں گا__ دس بیس پچاس سو دوسو جیسی لگ جائے ،منٹوں میں آمدنی ہو جائے۔یہ دیکھو سو کا نوٹ بس یوں چٹکی بجاتے کمایا۔''

''ارے بھئی کیسے؟''میں نے نصیر سے پوچھا۔اس نے بتایا ۔سیٹھ سہراب جی بہرام بھائی کی ایک بہت بڑی کوٹھی ہے بہت بڑی کوٹھی ۔ایسی عمدہ بنی ہے کہ دیکھو تو دیکھتے ہی رہو۔اس میں تیس کمرے ہیں ایک ہزار روپے کرایہ کی ہے ۔لیکن کچھ دنوں سے خالی پڑی ہے ۔سمجھے کیوں؟''(نصیر مسکرایا ۔بولتا رہا)اس کوٹھی میں نہ جانے کہاں سے بھوت آگیا اس نے بجلی پر قبضہ کرلیا۔ جب چاہتا ہے بجلی بجھا دیتا

ہے جب چاہتا ہے ۔جلا دیتا ہے اور کسی کو نظر نہیں آتا جب سے بھوت آیا کرایہ دار ڈر کر بھاگے۔اب کوئی اس طرف رخ نہیں کرتا،مشہور ہو گیا کہ اس کوٹھی کو بجلی کا بھوت لگ گیا ہے ۔قسمت کی بات آج میں ادھر جا نکلا ۔سیٹھ کر ایک گنڈہ بنا کر دے آیا اور سو کا نوٹ اینٹھ لیا کہو کیسی رہی رشید!''

میں نے کہا۔''نصیر یہ تو پوری مکاری ہے تم نے پڑھ لکھ کر سب چوپٹ کر دیا۔اپنا ایمان بھی خراب کیا اور دوسروں کا بھی تم سیٹھ کو سمجھاتے کہ بھوت ووت سب وہم کی بات ہے اصل وجہ کا کھوج لگا کر اسے بتاتے اس طرح اللہ بھی تم سے خوش ہوتا اور اللہ کے بندوں کا ایمان بھی ٹھیک ہوتا اور انھیں آرام سے رہنے کی جگہ بھی ملتی تم نے الٹے شیطانی جال بچھا دیا۔''

میری یہ نصیحت اسے اچھی نہیں لگی اس نے برا سا منہ بنا کر کہا ''اونھ رشید!تم تو نصیحت کرنے بیٹھ گئے جب لوگ خود بے وقوف بنیں تو ان کے ساتھ ایسا ہی کرنا چاہیے ۔پھر خدا جانے کوٹھی میں کیا معاملہ ہو،کون اپنی جان جوکھم میں ڈالے۔

''خدا کے بندے!''(میں نے کہا)خدا کا خوف تو کر!آدمیوں کو بے وقوف بنا کر رقم اینٹھتے پھرتے ہو آخرت میں سب اگلوالیا جائے

گا......!"

اس پر نصیر ذرا جھجکا، بولا "اچھا اب سو جاؤ۔" دانہ پانی پیٹ میں پڑ چکا ہے نیند بھی آ رہی تھی ہم دونوں سو گئے ظہر کے وقت اٹھے میں وضو کرنے بیٹھ گیا نصیر نے گیردے کپڑے پہن کر داڑھی اور جٹا لگائی۔اس کے بعد میں مسجد کی طرف اور وہ اپنے شکار کی تلاش میں دوسری طرف چلا گیا کہتا گیا کہ "شام کو آ جانا۔جب تک روزگار نہ ملے ،میرے ساتھ ہی رہنا۔"

میں نے سننے کو تو اس کی باتیں سن لیں۔لیکن میں نے لاحول پڑھی اور دل میں کہا کہ نصیر تو حرام کی کمائی کھا رہا ہے اب اس کے یہاں کا دانہ تک منہ میں نہ ڈالوں گا۔میں یہ سوچتا جا رہا تھا کہ اچانک خیال آیا کیوں نہ سیٹھ سہراب جی بہرام بھائی سے مل کر کوٹھی کی سیر کر دں۔ اور دیکھوں کہ یہ بجلی کا بھوت کیا بلا ہے۔یہ سوچ کر میں سیٹھ سہراب جی بہرام بھائی کا پتہ پوچھتا آگے بڑھا۔عصر کے بعد ان سے جا کر ملا اپنا تعارف کرایا۔"

"کیا کرایا بھائی جان؟" صفو نے پوچھا ۔بھائی جان نے بتاتا "تعارف ،تعارف کا یہ مطلب ہے کہ میں نے انھیں اپنا نام بتایا اور یہ بتایا کہ کہاں کا رہنے والا ہوں پورا پتہ بتایا اور یہ بھی بتایا کہ کتنا

پڑھا ہوں اسکے بعد بجلی کے بھوت والی کوٹھی کا حال پوچھنے لگا۔

کوٹھی کا نام سنا تو سیٹھ جی کو بڑا دکھ ہوا بولے ۔''کیا کہیں بھائی!لاکھوں کی جائداد بالکل بے کار پڑی ہے ،سیکڑوں تدبیریں کر چکا ہوں لیکن بجلی کا بھوت کوٹھی کو نہیں چھوڑتا ،جنتر منتر ،گنڈہ ،تعویذ سب کچھ کر ڈالا سادھوؤں اور پیروں فقیروں کو نہ جانے کتنی رقم دے چکا ہوں۔مگر بجلی کا بھات نہ کوٹھی چھوڑتا ہے اور نہ دکھائی دیتا ہے، بڑی فکر میں ہوں۔سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں؟''

سیٹھ جی سے یہ سنا تو میں نے کہا ''سیٹھ جی !میں چاہتا ہوں کہ میں بھی آپ کی کوٹھی دیکھوں اور پھر اگر مجھ سے کچھ ہو سکے تو آپ کی مدد کروں ۔''میرے اس کہنے سے سیٹھ جی نے مجھے غور سے دیکھا ۔بولے ''بھئی!تم تو ابھی بائیس تیئس برس کے نوجوان ہو تم نے ابھی دنیا بھی زیادہ نہیں دیکھی بھالی۔اونچ نیچ کو بھی نہیں سمجھتے بجلی کے بھوت ست بڑے بڑے ہار گئے ،تم کس گنتی میں ہو۔''

میں نے جواب دیا''ہاں یہ ٹھیک ہے کہ میں کم عمر ہوں اور یہ بھی ٹھیک ہے کہ میں نے دنیا زیادہ نہیں دیکھی۔لیکن میں یہ ضرور جانتا ہوں کہ بھوت ووت کچھ بھی نہیں ہوتا میرا خیال ہے کہ آپ کا کوئی دشمن دھوکے سے آپ کی یہ کوٹھی ہتھیانا چاہتا ہے ۔اس طرح ڈرا

دھمکا کر کرایہ داروں کو اس طرف رخ کرنے نہیں دیتا جب آپ اچھی طرح سمجھ جائیں گے کہ کوٹھی کو بجلی کا بھوت نہیں چھوڑتا تو آپ سے وہ کوڑیوں کے مول کوٹھی خرید لے گا۔"

میں نے یہ جو کہا تو سیٹھ جی بولے "تم زیادہ عمر کے تو نہیں لیکن بڑے نڈر اور سمجھ دار معصوم ہوتے ہو، اگر تم میری کوٹھی سے بجلی کا بھوت بھگا دو تو میں تم جو منہ مانگی رقم دوں گا۔"

میں نے کہا "چلیئے پہلے کوٹھی تو دکھایئے۔"

سیٹھ جی خوش ہو گئے میری پیٹھ پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگے "تم بڑے بہادر نوجوان ہو بھائی! یہ سمجھ لو جان جوکھم کا معاملہ ہے بڑے بڑوں کا پتہ پانی ہوتا ہے موت سے سبھی ڈرتے ہیں۔"

سیٹھ جی کی اس بات کا جواب میں نے یہ دیا کہ "جناب! موت کا ایک وقت مقرر ہے۔ موت وقت سے پہلے آ نہیں سکتی ۔میں تو موت سے ڈرتا نہیں نہ کسی انسان اور بھوت سے ڈرتا ہوں ہاں، اپنے خدا سے ضرور ڈرتا ہوں ۔سیٹھ جی !یہ بات یاد رکھیے جو خدا سے ڈرتا ہے وہ پھر کسی اور سے نہیں ڈرتا۔"

سیٹھ جی نے میری یہ ہمت دیکھی تو "شاباش" ان کی زبان سے نکلا پھر گھنٹی بجائی ایک ملازم "جی حضور" کہہ کر کمرے میں آیا۔سیٹھ جی

نے اس سے کچھ اشارہ کیا۔تھوڑی دیر کے بعد سیٹھ جی مجھے دوسرے کمرے میں لے گئے کمرے میں کھانے کا سامان میز پر چنا تھا۔میں نے سیٹھ جی کے ساتھ خوب پیٹ بھر کر کھانا کھایا۔کھانا کھا کر اٹھا تو سورج ڈوب چکا تھا۔میں نے وضو کرکے ایک طرف مغرب کی نماز پڑھی اس کے بعد سیٹھ جی نے دس سپاہی لیے۔سپاہی بندوقوں سے لیس تھے ایک پستول خود لیا ایک مجھے دیا اور کہا ''چلو چل کر کوٹھی دکھائیں۔لیکن بھئی !ہوشیار رہنا۔''

ہم سب دو کاروں پر لد کر سیٹھ جی کی کوٹھی کے پاس پہنچے۔کوٹھی کے باہر میدان میں کھڑے ہوئے سیٹھ جی نے کہا ''دیکھو کوٹھی بالکل بند ہے اس کے اندر آدم نہ آدم زاد۔کوئی نہیں لیکن رات گئے آپ سے آپ کوئی بجلی جلا دیتا ہے اور پھر لاکھ ڈھونڈو اس کا پتہ نہیں چلتا۔''

اس جگہ میں نے سیٹھ صاحب سے ایک سوال کیا۔''کیا بھوت نے کسی کی جان بھی لی ہے؟''

سیٹھ جی نے جواب دیا ''یہ بھی ایک بڑے اچنبھے کی بات ہے کہ بھوت نے ابھی تک کسی کی جان نہیں لی۔ہاں لوگ ڈر کے مارے بے ہوش ضرور ہو گئے اور بہت سے بھاگ کھڑے ہوئے بھوت نے کسی کا پیچھا نہیں کیا۔''

"اچھا تو مجھے کوٹھی دکھایئے" میں نے سیٹھ جی سے کہا انھوں نے کنجیوں کا گچھا مجھے دے دیا۔ اب آگے آگے میں میرے پیچھے سپاہیوں کے بیچ میں سیٹھ جی۔ میں نے قفل کھولا۔ بجلی جلائی دیکھا بھالا پھر اسے بند کر دیا کوٹھی کے کمرے، برآمدے صحن اور کوٹھی کے پاس چپہ چپہ زمین دیکھ ڈالی۔"

"چپہ چپہ؟ چپہ چپہ کے کیا معنی ہیں بھائی جان؟ میں نے پوچھا۔ بھائی جان نے چپہ چپہ کے معنی بتائے۔" ذرا ذرا۔ ساری زمین۔" اس کے بعد کہا کہ پھر غسل خانہ اور پاخانہ وغیرہ بھی دیکھا مجھے تو سب کمرے اور تمام "خانے" ٹھیک ٹھاک دکھائی دیئے۔

اب میں نے سیٹھ صاحب سے کہا "اچھا ان سپاہیوں میں سے جو نڈر سپاہی ہوں انھیں میرے پاس چھوڑ جایئے میں آج رات یہیں رہ کر دیکھوں گا کہ بجلی کس طرح جلتی اور بجھتی ہے۔"

میرے اس کہنے سے سیٹھ صاحب نے سپاہیوں کی طرف دیکھا میرا ساتھ دینے پر پانچ پانچ سو روپے دینے کا وعدہ کیا۔ پانچ سو کی رقم کا نام سنا تو چار سپاہیوں نے خامی بھرلی۔

"بھائی جان حامی کے معنی کیا بندوق؟" صفو نے پوچھا اور ہم سب کھل کھلا کر ہنس پڑے۔ خالدہ آپا نے بتایا "ارے حامی کے معنی

یہ کہ ساتھ دینے کو تیار ہوئے اچ.....اچھا۔"صفو نے خوب بڑھا کر کہا اور پھر کہانی سننے لگی۔

سیٹھ جی نے چار سپاہی میرے ساتھ چھوڑے اور واپس چلے گئے ۔جاتے وقت کہتے گئے کہ"فلاں کمرے میں ٹیلیفون بھی ہے اگر کوئی خطرہ ہو اور مدد کی ضرورت پڑے تو جھٹ ٹیلیفون کر دینا میں بہت سارے آدمیوں کو لے کر پہنچ جاؤں گا۔"

سیٹھ جی کے جانے کے بعد میں نے ایک سپاہی کو کمرے کے دروازے پر کھڑا کیا اور دوسے کہا"تم دونوں کوٹھی کے آس پاس پہرہ دو۔"اور ایک کوٹھی کے پھاٹک پر تعینات کیا۔

یہ بندوبست کر کے سارے کمروں کی بجلی آن کر دی اور میں ٹیلیفون والے کمرے میں جا بیٹھا۔بیٹھے بیٹھے دو گھنٹے ہو گئے ابھی کوئی بات نہیں ہوئی۔عشاء کی نماز کا وقت ہو چکا تھا۔میں نے سوچا نماز پڑھ لینا چاہیے میں نے اٹھ کر وضو کیا اور نماز پڑھنے لگا۔نماز پڑھ کر اٹھا ہی تھا کہ سارے کمروں کے بلب یکدم بجھ گئے۔اور تمام کوٹھی میں اندھیرا ہو گیا۔

اچانک اندھیرا ہو گیا تو پھاٹک پر کھڑا ہوا سپاہی ڈر کر بھاگا میں نے اسے پکارا مگر اس نے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔

بھائی جان نے اتنی کہانی کہہ کر صفو کو دیکھا اور بولے ''ذرا ان بی صفو کو تو دیکھو چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں بجلی کے بھوت سے۔'' اس کے بعد انھوں نے صفو کو گود میں بٹھا لیا۔اور سچ مچ آنکھیں پھاڑے منہ کھولے حیران و پریشان تھی۔ہم سب بھی ہکا بکا تھے کہ ایک ساتھ سارے کمروں کے بلب کیسے بجھ گئے ؟ بھائی جان نے ہم سب پر ایک نظر ڈالی اور آگے کا قصہ کہنے لگے۔

اچھا تو بھائی جان !وہ سپاہی بھاگ گیا اس کی بزدلی پر مجھے بڑا فسوس ہوا۔میں نے ٹارچ ،ٹارچ کی روشنی میں کمروں کے سوئچ دیکھنے لگا۔تمام کمروں کے سوئچ آن تھے مجھے بڑا تعجب ہوا۔ میں نے جا کر مین سوئچ دیکھا وہ بھی آن تھا۔اب تو میں سمجھ گیا کہ دال میں کچھ کالا ہے میں سوچنے لگا کہ سوئچ آن ہے اور بجلی آگ ،یہ کیا بات ہے ؟......میں اسی سوچ میں تھا کہ بجلی پھر آن ہوگئی اور سارے سوئچ ویسے کے ویسے ہی رہے ۔دوبارہ روشنی ہوئی تو میں نے دیکھا کہ میرے ساتھ والا سپاہی بھاگا میں نے اسے پکارا ارے بھائی:

کھاؤ دھوکا نہیں بھوت ہوتا نہیں

وہم کی بات ہے سب خرافات ہے

لیکن سپاہی ،نہ رکنا تھا نہ رکا اب میں نے کوٹھی کے باہر پہرادار

سپاہیوں کو پکارا وہ آئے۔ میں نے ان سے پوچھا ''کسی کے آنے کی کچھ آہٹ تو نہیں ہوئی؟'' انھوں نے جواب دیا ''نہیں'' پھر پوچھا ''تم دونوں ڈرتے تو نہیں؟'' انھوں نے جواب دیا ''نہیں'' میں نے ان سے پھر کہا بھائی! اگر تم ڈرتے ہو تو تم بھی جاؤ میں اکیلا ہی کوٹھی میں رہوں گا اور جس طرح بنے گا، اس بجلی کے بھوت کا پتہ لگاؤں گا۔''

یہ دونوں سپاہی بہادر اور نڈر نکلے بولے ''نہیں صاحب ہم ڈرتے نہیں، ہم آپ کے ساتھ رہیں گے'' یہ سن کر میں نے دونوں کو پاس بٹھایا اور باتیں کرنے لگا۔ ہم تینوں بیٹھے باتیں کرتے رہے بجلی رات بھر جلتی اور بجھتی رہی بجلی کے بجھنے اور جلنے پر ہم چوکنا ہو جاتے اور اٹھ کر ادھر ادھر دیکھتے ہمیں کوئی دکھائی نہ دیتا۔ اس طرح ساری رات آنکھوں میں گزار دی ہم نے۔''

''یعنی ذرا دیر بھی نہیں سوئے آپ؟'' میں نے بھائی جان سے پوچھا۔ بھائی جان نے جواب دیا ''کھٹکا جو تھا نا! نہ جانے کیا بلا ہو جو موقعہ پا کر آدبوچے سوتا پا کر تو اور بھی آسانی ہوتی ہے اچھا خیر ہم رات بھر جاگتے رہے بجلی کے بجھنے اور جلنے کے سوا اور کوئی بات نہیں ہوئی۔

صبح کو ہم سب نے کوٹھی کے اندر باہر اچھی طرح دیکھا پھر سیٹھ

کے مکان پر گئے رات کا ماجرا اس سے کہا سیٹھ خاموش بیٹھا سنتا رہا میں نے اسے اطمینان دلایا کہ کوٹھی میں بھوت ووت تو ہے نہیں، کسی دشمن کا دھوکا معلوم ہوتا ہے یہ دھوکا کچھ کچھ میری سمجھ میں آتو رہا ہے لیکن میں اس وقت ٹھیک سے نہیں کہہ سکتا۔''

''کیوں کیوں؟'' کر کے سیٹھ اچانک اچک پڑا بولا ''کیوں نہیں کہہ سکتے بہادر نوجوان تم ضرور کہا جلد کہو مجھے بڑی بے چینی ہو رہی ہے۔''

میں نے کہا: ''سیٹھ جی! آپ گھبرائیں نہیں نے نے جو کچھ سمجھا نہیں کہہ سکتا کہ وہ ٹھیک بھی ہو گا اس وقت مجھے بڑی نیند آرہی ہے رات بھر کا جاگا ہوا ہوں۔ ذرا سولوں تو ہوش و حواس ٹھیک ہوں۔ رات کی تھکاوٹ دور ہو تو پھر سوچوں گا میں نے جو کچھ سوچا ہے وہ آپ سے تین بجے کہوں گا ''جیسی خوشی تمھاری!'' سیٹھ نے کہا اور بولا ''تم بڑے بہادر معلوم ہوتے ہو میں چاہتا ہوں کہ تم یہیں رہو، یعنی میرے یہاں۔ یہ دونوں سپاہی بھی تمھارے ساتھ رہیں گے اور تمھارا حکم مانیں گے۔ اگر تم نے کوٹھی کا بھید پالیا تو میں تمھیں خوش کر دوں گا۔ اور ہاں دیکھو! تمھارے رہنے کے لیے وہ سامنے والا کمرہ ہے۔ اس کمرے میں تمھاری ضرورت کا کل سامان موجود ہے اور لو اپنی ضرورت کے لیے

یہ سو روپے رکھ لو!''

یہ کہتے ہوئے سیٹھ نے سو روپے کے نوٹ مجھے تھما دیئے مجھے بڑی خوشی ہوئی۔ میں نے اللہ کا شکر ادا کیا کمرے میں گیا رات بھر کا جاگا ہوا تھا۔ میں نے غسل کیا اور ناشتہ کر کے سو رہا۔ظہر کے وقت تک بے خبر سوتا رہا دو بجے جاگا اٹھا۔ہاتھ منہ دھویا کھانا کھایا اور وضو کر کے مسجد میں گیا نماز پڑھی اور وہیں بیٹھ کر سوچنے لگا سوچتے سوچتے میرے دل میں جو بات تھی اس پر مجھے اطمینان ہو گیا''۔''کیا بات تھی بھائی جان آپ کے دل میں؟''بھائی جان نے جواب دیا کہ سنے جاؤ کہانی سب معلوم ہو جائے گا۔اچھا تو جب مجھے اطمینان ہو گیا۔تو میں اٹھا تین بجتے بجتے سیٹھ کے کمرے میں جا پہنچا۔سیٹھ بیٹھا میرا راستہ ہی دیکھ رہا تھا مجھے دیکھتے ہی بولا۔آیئے رشید میاں !تشریف لایئے ۔''میں جا کر ایک طرف بیٹھ گیا میں بیٹھا ہی تھا کہ سیٹھ نے پوچھا''ہاں بھائی!تو تم نے کیا سوچا ہے مجھے بھی بتاؤ میں نے کہا۔''سیٹھ جی !میں نے جو کچھ سوچا ہے اسے کوٹھی میں چل کر ہی بتاؤں گا۔''

''کب''؟سیٹھ جی نے جھٹ پوچھا میں نے جواب دیا۔''اسی وقت چلیے۔''سیٹھ یہ سنتے ہی اٹھ کھڑا ہوا میں نے کہا۔''سیٹھ جی !ایک وائر مین کو بلا لیجئے۔''

میرے کہنے پر سیٹھ نے ایک وائر مین کو بلا بھیجا تھوڑی دیر میں وہ بھی آ گیا۔اب میں سیٹھ ،وائر مین اور وہ دونوں سپاہی جو میرے ساتھ کوٹھی میں رہے تھے یہ سب کے سب کوٹھی کو روانہ ہو گئے سیٹھ جی نے مجھ سے کہا ''اگر کچھ خطرے والی بات ہو تو کچھ اور سپاہی ساتھ لے لوں۔''

میں نے کہا ''خطرے والی کوئی بات نہیں ہے۔''سیٹھ جو اطمینان ہو گیا ہم سب موٹر پر چلے چند منٹ میں کوٹھی پہنچ گئے موٹر سے اترے اور کوٹھی کے اندر داخل ہو گئے۔کوٹھی کے اندر جس کمرے میں سوئچ تھا میں سب کو ساتھ لیے اسی کمرے میں چلا گیا وائر مین سے کہا ''ذرا کھول کر دیکھئے مین سوئچ سے جو تار کوٹھی کے اندر گیا ہے اس کے علاوہ تو کوئی تار نہیں لگا ہے؟'وائر مین نے کھولا دیکھا بھالا اسکے بعد کہنے لگا ''ہاں صاحب !ہے تو ایک اور تار۔''

یہ سنتے ہی خوشی سے اچھل پڑا میں نے جو کچھ سوچا تھا وہی نکلا۔سیٹھ میری خوشی کو دیکھ رہا تھا اسے صبر کہاں ؟اس نے پوچھا ''کیا بات ہے۔'' میں نے کہا ''جناب !پہلے یہ بتایئے کہ یہ سامنے باغ والی کوٹھی کس کی ہے؟سیٹھ نے بتایا کہ یہ باغ والی کوٹھی ایک ٹھیکہ دار کی ہے۔اسی ٹھیکہ دار سے میں نے یہ کوٹھی بنوائی ہے۔''

''بس تو پھر ٹھیک ہے''میری زبان سے نکلا اور سیٹھ ضد کرنے

لگا۔''ارے بھئی رشید میاں ! جلدی بتاؤ کیا بات ہے ؟''میں نے بتایا ''سیٹھ جی !میرا خیال ہے کہ ٹھیکہ دار نے کوٹھی بنواتے وقت جب بجلی کا تار لگایا تو اس میں ایک تار اور لگا دیا اور اس تار کو اپنی کوٹھی میں لے گیا ،وہاں اپنی کوٹھی کے مین سوئچ سے جوڑ دیا اور اب وہی ٹھیکیدار اپنی کوٹھی میں بیٹھا تماشا کرتا ہے۔''_ ''اچھا یہ بات ہے تو کھودو بھائی !ایسا ہی ہوا تو میں ٹھیکیدار کو جیل میں سڑوا دوں گا۔''سیٹھ جی نے اپنا غصہ ظاہر کیا۔

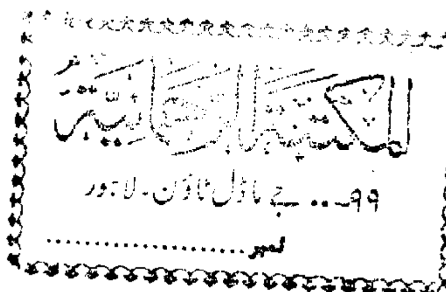
اب مزدور بلائے گئے وہ نیا تار جس طرف کو گیا اسی طرف کھودا جانے لگا۔سچ مچ تار سیٹھ کی کوٹھی کے باہر ٹھیکیدار کی طرف گیا تھا کھودتے کھودتے آگے بڑھے تو ٹھیکہ دار کی حد میں جا پہنچے اسے خبر ہوئی تو دوڑا آیا پہلے تو خوب دھونس جمائی۔لیکن جب سیٹھ کو دیکھا اور دیکھا کہ تار کا پتہ چلالیا۔تو گھبرایا سیٹھ کے قدموں پر گر پڑا معافی مانگنے لگا۔رویا پیٹا ،گڑگڑایا سیٹھ نیک دل آدمی تھا۔اس نے معاف کر دیا۔اس کے بعد تار کٹوا دیا۔تار کاٹ دینے کے بعد سیٹھ کو اطمینان ہوا اور مجھ سے بڑا خوش ہوا دونوں سپاہیوں کو پانچ پانچ سو کے بدلے ہزار ہزار روپے دیئے اور مجھے تین دو روپے مہینے پر نوکر رکھ لیا۔کراچی میں سیٹھ کے بہت سے مکانات اور کوٹھیاں ہیں ان سب کا مجھے مینجر بنا دیا اور ایک عمدہ مکان مجکھے دیا آج کل میں اسی مکان میں رہ رہاں

ہوں۔ سیٹھ مجھ سے بہت خوش ہے اور میں بھی بہت خوش ہوں یہ ہے بھائی بجلی کے بھات کی کہانی سچی بات یہ ہے کہ بھوت ووت سب وہم کی باتیں ہیں۔"

یہ کہہ کر بھائی جان خاموش ہو گئے ہم سب نے صفو بی سے کہا: "تم سمجھیں صفو بی! صفو بیٹھی مسکرا رہی تھی۔ اس کے مسکرانے سے ہم سب سمجھ گئے کہ بات اس کی سمجھ میں آ گئی ہے۔ اور سچی بات بھی یہی ہے کہ صفو اس کے بعد بھوت پریت وغیرہ سے نہیں ڈرتی۔ اور اب کوئی اس کے سامنے بھوت کا نام لیتا ہے تو کہتی ہے:

کھاؤ دھوکا نہیں بھوت ہوتا نہیں
وہم کی بات ہے سب خرافات ہے





بچوں کے لیے ہماری دیگر دلچسپ تربیتی کتب

دار الابلاغ



کتاب وسنت کی اشاعت کا مثالی ادارہ